مشاہیرِ اُمّت اور پاک وہند کے متعدد علمائے احناف کی نظر میں

ایک مجلس میں تین طلاقیں

اور اس کا شرعی حل

تالیف وترتیب
حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

www.KitaboSunnat.com
ایک مجلس میں
تین طلاقیں
اور اس کا شرعی حل

مشاہیرِ اُمّت اور پاک وہند کے مُتعدّد عُلمائے احناف کی نظر میں

www.KitaboSunnat.com

ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل

تالیف وترتیب

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ

مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

دارالسلام
DARUSSALAM
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیویارک

مضامین

مذاہبِ اربعہ کا متفقہ موقف

تاکید کے طور پر تین طلاقیں، ایک ہی طلاق ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

عرض ناشر

انسانی زندگی میں عائلی زندگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی میدانوں میں کامیاب رہنے کے لیے اوّلین ضرورت ہے کہ انسان اپنے گھر میں کامیاب زندگی گزارنے کی اہلیت وصلاحیت سے بہرہ ور ہو۔ دین اسلام میں اسی بنا پر عائلی زندگی سنوارنے کو ترجیح دی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے نہایت گرانقدر تعلیمات دی گئی ہیں۔ اس سلسلے کی اہم اور بنیادی اہمیت کی حامل تعلیمات میاں بیوی کے درمیان خوشگوار تعلقات کو دوام وثبات بخشنے کے متعلق ہیں۔ چونکہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس لیے اس میں (خدانخواستہ) خوشگوار تعلقات قائم وبرقرار نہ رہنے کی صورت میں زوجین کی علیحدگی کے مہذّب ومتمدّن طریقے بھی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔

گھریلو زندگی خوشگوار رکھنے اور اس کی بنیاد پر معاشرتی زندگی کو مثالی امن وامان اور خوشی وخوشحالی کا مظہر بنانے کے لیے زوجین کو نباہ کرنے کی تلقین وترغیب کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ فاضل مصنف نے اس موضوع پر نہایت معقول اور متوازن انداز میں اظہار خیال فرمایا ہے اور اسلامی تعلیمات کے سمجھنے میں کوتاہیٔ عقل کے مضرات کو احسن انداز میں نمایاں کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

''تیسری بات (متعلقہ عورت کی گوشمالی) پرعمل کرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ اس مارنے کی اجازت کو نہایت بھونڈے اور وحشیانہ طریقے سے استعمال کر کے اسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو خوب مارنے پیٹنے کی اور ان پر ظلم کرنے کی اجازت دی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں کسی کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت تو انسان کی ہم سفر اور اس کی زندگی کی گاڑی کا دوسرا پہیہ ہے۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی بے کیف بھی ہے اور پرُ مشقت بھی۔ عورت اس کی زندگی میں لطف و سرور بھی پیدا کرتی ہے اور اس کی مشقتوں (گھریلو ذمّے داریوں) کا بوجھ بھی اٹھاتی ہے۔ اس کو تھوڑا بہت مارنے کی اجازت کا مطلب صرف پہیے کی اصلاح ہے تاکہ زندگی کی گاڑی صحیح طریقے سے رواں دواں رہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر مارنے کی ضرورت پیش آ ہی جائے تو ایسی ہلکی مار مارو کہ جس سے کوئی نشان نہ پڑے اور اسی طرح چہرے پر بھی نہ مارو۔''

''ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل'' میں فاضل مؤلف نے طلاق کی نوبت نہ آنے اور اس کے لیے نباہ کی تعلیم وترغیب پر سیر حاصل بحث کے بعد طلاق کے آداب پر اپنے مخصوص مدلل، دلنشیں اور عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ بیک وقت تین طلاقوں کے نقصانات پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ زیر بحث موضوع پر اہل حدیث کے مسلک پر احناف کے طرزِ فکر کا جائزہ لے کر مسئلے کی تنقیح کی گئی ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ ابتداہی سے مختلف فیہ رہا ہے۔ مصنف نے تفہیم کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے، مثلاً مسئلہ طلاق ثلاثہ میں اشتعال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ذرا ذرا سی باتوں پر غصے اور اشتعال میں آ کر طلاق دے دینا شرعاً پسندیدہ امر ہے، نہ مرد کے شایانِ شان ہی۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے بجائے مرد کو طلاق کا حق اسی لیے دیا ہے کہ مرد عورت کے مقابلے میں زیادہ حوصلہ مند اور زیادہ ضبط وتحمل کا مالک ہے لیکن اکثر لوگ اپنے

وہ مردانگی کو بھول جاتے ہیں اور غصے اور جذبات میں آ کر فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں......، حالانکہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالتِ طہر میں، بغیر صحبت کیے، صرف ایک طلاق دی جائے اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔"

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے کتاب وسنت کے علاوہ قدیم وجدید علمائے کرام کی تحقیق کے حوالوں سے اپنے موقف کی تائید وتوثیق میں مسلکی اختلاف اور ہر طرح کے تعصب سے گریز کیا ہے اور طلاق ایسے اہم اور دوررس نتائج کے حامل مسئلے سے جہالت پر مبنی انداز میں عہدہ برآ ہونے کے خطرناک مضمرات کے متعلق دیگر مکاتبِ فکر کی آراء بھی پیش کر دی ہیں، مثال کے طور پر مولانا وحید الدین خاں نے "ایک مجلس میں تین طلاقوں" کے دو حل پیش کیے ہیں۔

"ایک یہ کہ جب ایک شخص فوری جذبے کے تحت طلاق، طلاق اور طلاق کہہ دے تو اس کو شوہر کی طرف سے غصے پر محمول کیا جائے۔ اس صورت میں شوہر سے کہا جائے کہ تمھاری تین طلاقیں عملاً پہلے مہینے کی ایک طلاق قرار دی جاتی ہے۔

دوسرا ممکن طریقہ ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم سنت فاروقی کو اپنے زمانے کے لحاظ سے اختیار کریں، یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دے کر عورت اور مرد کے درمیان تفریق کرا دیں مگر اس صورت میں لازمی طور پر ہمیں سنت فاروقی کے مطابق یہ کرنا ہوگا کہ اس مزاج کی حوصلہ شکنی کے لیے شوہر کو سخت سزا دیں۔"

ماہنامہ "اشراق" کا نقطۂ نظر بھی زیر نظر کتاب میں شامل ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"تین طلاق کا موجودہ طریقہ صرف عورت اور اس کے بچوں کے ساتھ زیادتی ہے بلکہ ظلمِ صریح کے مترادف ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ اس زیادتی کو بچشم سر دیکھنے کے باوجود اس غلط طریقۂ طلاق کے اثرات کو تسلیم کر لیا گیا ہے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جو مسلمان اسلام کے قانونِ طلاق کی خلاف ورزی کرتا اس کو سزا دی جاتی اور اصل قانون کی طرف رجعت کے لیے اس کو

مجبور کیا جاتا لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، سزا تو درکنار، طلاق ثلاثہ کے پردے میں ان کو یہ موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی زندگی کے ساتھ کھلواڑ (کھیل تماشہ) کریں۔"

فاضل مؤلف نے حنفی علمائے کرام کا موقف کتاب میں شامل کر کے ایک نہایت مستحسن کاوش کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"انھی مذکورہ دلائل قرآن وسنت کی بنیاد پر موجودہ دور کے بہت سے علمائے احناف نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا اور عدت گزارنے کے بعد بہ نکاح جدید (بغیر حلالۂ مروّجہ) اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے گھر بسانے کا حق حاصل ہے۔ جیسے مولانا سعید احمد اکبر آبادی (مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی) مولانا عبدالحلیم قاسمی (جامعہ حنفیہ گلبرگ لاہور) مولانا پیر کرم شاہ ازہری (سابق جج سپریم اپیلیٹ شریعت بنچ پاکستان) مولانا حسین علی واں بھچراں اور دیگر حضرات ہیں جس کی تفصیل "ایک مجلس میں تین طلاقیں" نامی کتاب (شائع کردہ نعمانی کتب خانہ لاہور) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں پیر کرم شاہ ازہری کا ایک مدلل مقالہ بھی شامل ہے جس میں اسی مسلک کی تائید کی گئی ہے۔"

مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے:

"مثال کے طور پر مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی سے پوچھا گیا کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں لیکن زید کو اپنی بیوی سے نہایت الفت ہے اور مفارقت ناقابلِ برداشت تو بدرجۂ مجبوری مذہب شافعی کی تقلید کرتے ہوئے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا عبدالحی مرحوم نے فرمایا: "ضرورت شدیدہ کے وقت مذہب شافعی کی تقلید کرنا جائز ہے۔"

بہرحال کتاب اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے اور تقلیدی مذاہب سے وابستہ عوام وخواص بھی پوری سنجیدگی سے اسے ملاحظہ فرمائیں اور مسئلہ زیر بحث میں اس حل کو

تیار کریں جس کی طرف متعدد علمائے احناف نے اہل علم کی توجہ مبذول کرائی ہے اور اسے قرآن وحدیث کے مطابق بھی قرار دیا ہے۔

کتاب کی تیاری اور اشاعت کے مختلف مراحل میں ''دارالسلام'' کے علماء اور محققین نے محنت، خلوص اور جانفشانی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اللہ تبارک وتعالیٰ فاضل مؤلف کے ساتھ انھیں بھی اس کارِخیر پر اجر عطا فرمائے۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام الریاض، لاہور

ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ / جنوری ۲۰۰۷ء

عرضِ مؤلف

ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقوں کا مسئلہ تقریباً پورے عالم اسلام میں تشویش واضطراب کا باعث بنا ہوا ہے کیونکہ بیک وقت تین طلاقیں دینا شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی تینوں طلاقوں کو تین ہی قرار دے کر میاں بیوی کے درمیان جُدائی کروا دینا اور پھر ان کو مروجہ حلالے کی ترغیب دینا، اس (بیک وقت تینوں طلاقیں دینے) سے بھی زیادہ شنیع وقبیح ہے۔ لیکن تقلید کی جکڑ بندیوں نے علماء کی آنکھوں پر پٹیاں باندھی ہیں اور وہ اس سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں اور مشکلات کا یا تو صحیح اندازہ ہی کرنے سے قاصر ہیں یا شُتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر لینے ہی کو خطرات کے انسداد کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی کوتاہ فہمی یا چشم پوشی سے ان عورتوں کی دادرسی نہیں ہو سکتی جو موجودہ صورت حال کی وجہ سے مشکلات اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہیں، تاہم کچھ علماء کو اللہ نے اس توفیق سے نوازا کہ وہ اس سُلگتے ہوئے مسئلے پر فقہی تعصبات سے بالا ہو کر اور تقلید کی جکڑ بندیوں سے نکل کر غور کریں اور چاک چاک گریباں کی رفو گری اور زخموں سے چُور چُور عورت کی دادرسی کریں۔

اہلحدیث کا مسلک تو پہلے ہی یہ ہے کہ مجلسِ واحد کی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی ہے جس کی وجہ سے مرد کی ایک جنبشِ لب سے خاندان اُجڑتا نہیں ہے بلکہ بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو سنبھالا

جاتا، نظر آنے والے نقصان کا ازالہ ہو جاتا اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو دوبارہ حوصلہ مل جاتا ہے، علاوہ ازیں اولاد بھی در بدر کی ٹھوکریں کھانے اور برباد ہونے سے بچ جاتی ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ بعض علمائے احناف کو بھی اس معاشرتی مسئلے کی سنگینی کا اور عورت کی بے چارگی کا احساس ہوا اور انھوں نے اس مسئلے پر سوچ بچار کیا اور ازسرِ نو اس کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس مسئلے کا وہی حل صحیح ہے جو اہلحدیث علماء بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ

''ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے۔''

ان کا یہ فیصلہ محض جذباتیت یا وقتی تأثر کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے گہرے تدبر اور شعور، قرآن و حدیث کے دلائل پر غور و فکر اور فقہی جمود و تعصب سے بالا ہو کر معاشرتی مسائل حل کرنے کے مخلصانہ جذبے کا اظہار ہے جس پر وہ بلاشبہ تحسین و تبریک کے مستحق اور قدر افزائی اور شکریے کے سزاوار ہیں۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ وَ كَثَّرَ اللّٰهُ اَمْثَالَهُمْ فِينَا.

اس کتاب کا موضوع ہمارے اِس معاشرے کا یہی سنگین مسئلہ ہے جس میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہے اور ان کی یہ بے خبری ہی اس بگاڑ کا سب سے بڑا سبب ہے جو طلاقِ ثلاثہ کی شکل میں روز افزوں ہے۔

اس کتاب میں اوّلاً یہ واضح کیا گیا ہے کہ طلاق کا مروّجہ طریقہ، جو خرابیوں کا باعث ہے، یکسر غلط ہے اور شریعت نے اس طریقۂ طلاق سے نہایت سختی کے ساتھ روکا ہے۔

ثانیاً، طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اسے واضح کیا گیا ہے اور اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ اس طریقے کو واضح اور عام کیا جائے بلکہ عرضی نویسوں اور وکلاء کو قانوناً اس کا پابند کیا جائے تاکہ غلط مروّجہ طریقے کی اصلاح ہو سکے اور خلاف ورزی کی صورت میں مؤاخذہ و احتساب کیا جا سکے۔

ثالثاً، یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں شرعاً ایک ہی طلاق ہوتی ہے جس میں عدّت کے اندر رجوع اور عدّت گزرنے کے بعد بغیر تحلیل کے دوبارہ نکاح جائز ہے۔

رابعاً، طلاقِ ثلاثہ کے تین طلاقیں ہونے کی بابت جو دعوائے اجماع کیا جاتا ہے، اس کی دلائل سے کی گئی ہے۔

خامساً، اسی طرح جن دلائل سے مذکورہ بات یا دعوے کا اثبات کیا جاتا ہے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔

سادساً، اُن علمائے احناف کے فتاویٰ اور مقالات کی تلخیص پیش کی گئی ہے جنھوں نے اس مسئلے میں اہلحدیث کے موقف اور ان کے نقطۂ نظر کی تائید کی ہے۔

سابعاً، علمائے احناف نے اپنے ان مضامین و مقالات میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اہلحدیث کا موقف اپنا کر ہی طلاقِ ثلاثہ کی پیچیدگیوں اور مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

ثامناً، انھوں نے اپنے ہم مسلک علمائے احناف سے نہایت دل سوزی سے اپیل کی ہے کہ وہ اس مسئلے میں فقہی جمود کے بجائے توسُّع کو اپنائیں اور ان کی ہم نوائی کر کے امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل میں ان سے تعاون کریں۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تا کہ لوگ صحیح موقف کو سمجھ سکیں اور اسے اختیار کر کے اپنے ہی پیدا کردہ مسئلے کو خود ہی حل کرسکیں۔ نہ خود پریشان ہوں اور نہ اپنی بیوی کو کرائے کے کسی سانڈ کے حوالے کر کے بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہوں۔

(حافظ) صلاح الدین یوسف
مدیر شعبۂ تحقیق وتالیف وترجمہ
دارالسلام۔ لاہور
۴۰/۱۲۴، شاداب کالونی، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون (گھر) ۶۳۱۶۹۳۱
ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ، جنوری ۲۰۰۷ء

مرد کا حق طلاق اور اس کے آداب

مرد وعورت کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو جانے کے بعد اکثر مذاہب میں علیحدگی اور طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے، حالانکہ بعض دفعہ جب دونوں کے مزاجوں میں موافقت اور ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکے تو طلاق اور علیحدگی ہی میں دونوں کی بھلائی ہوتی ہے، اس لیے اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے، تاہم اس حق کو آخری چارۂ کار کے طور پر ہی استعمال کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایک طرف مرد کو حق طلاق دیا ہے تو دوسری طرف اسے ایسی ہدایات بھی دی ہیں جنھیں اختیار کرنے سے عام طور پر طلاق تک نوبت ہی نہیں پہنچتی۔ لیکن عوام کی اکثریت چونکہ اسلامی تعلیمات کا صحیح شعور نہیں رکھتی، اس لیے معمولی تلخیاں بھی طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ بنابریں ضروری ہے کہ مرد حضرات ان ہدایات اور تعلیمات کا بھی صحیح شعور حاصل کریں جو اسلام نے بیوی کے ساتھ نباہ کرنے کے لیے دی اور بتلائی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

عورت کے ساتھ نباہ کرنے کا طریقہ

اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں پہلی ہدایت یہ فرمائی:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ

اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

''اور تم ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو، پس اگر تم انھیں ناپسند کرو، تو بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔''[1]

یعنی اپنے طور پر تم اپنی بیوی کو بعض وجوہ کی بنا پر ناپسند کرو لیکن اس ناپسندیدگی کے باوجود اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے اولادِ صالح عطا فرما دے یا اس کی وجہ سے تمھارے کاروبار میں برکت ڈال دے، دونوں صورتوں میں تمھارے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کے باوجود بیویوں سے حسنِ معاشرت اور نباہ کرنے کی تاکید فرمائی اور اسی بات کو نبیٔ اکرم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَةً ، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَّضِيَ مِنْهَا آخَرَ»

''کوئی مومن مرد (شوہر) کسی مومنہ عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اسے اس کی کوئی عادت ناپسند ہے، تو اس کی دوسری عادت پسند بھی ہوگی۔''[2]

مطلب یہ ہے کہ محض ناپسندیدگی کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہ دو، بلکہ اس کے اندر جو دوسری خوبیاں ہیں انھیں سامنے رکھو۔ ایسا کرنے سے اس کی بعض ناپسندیدہ باتیں تمھارے لیے قابلِ برداشت ہو جائیں گی۔ بیوی کے ساتھ نباہ کرنے کا یہ کتنا بہترین نسخہ اور طریقہ ہے کیونکہ کوئی کتنا بھی برا ہو، کچھ خوبیاں بھی اس کے اندر ضرور ہوتی ہیں۔ اگر انسان خوبیوں پر نظر زیادہ رکھے، تو کوتاہیوں اور خامیوں کو نظر انداز کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یوں معاملہ زیادہ خراب نہیں ہوتا۔ کاش مرد اس ہدایتِ نبوی کو اپنے سامنے رکھیں۔

---

[1] النسآء 19:4.

[2] صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1467.

عورت کی ایک فطری کمزوری کا لحاظ رکھنے کی ہدایت

ایک حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ، لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلٰى طَرِيقَةٍ ، فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا ، وَبِهَا عِوَجٌ ، وَّإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا ، وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا»

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے (اس لیے اس میں پسلی ہی کی طرح کجی ہے) وہ تیرے لیے کسی طریقے پر ہرگز سیدھی نہیں رہے گی، پس اگر تو اس سے (بطور بیوی) فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اسی کجی (کے برداشت کرنے) کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنا شروع کر دے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔''[1]

یہ عورت کے ساتھ نباہ کرنے کی دوسری نبوی ہدایت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں فطری طور پر کچھ کجی (کم عقلی اور ضدی پن) ہے۔ عورت کے اس مزاج کی وجہ سے بعض دفعہ گھر میں تلخی اور تناؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو مرد حوصلہ مند، بردبار، قوت برداشت کا مالک اور عورت کے اس مزاج کو سمجھنے والا ہوتا ہے، وہ بردباری اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کر کے ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جس سے تلخی میں اضافہ نہیں ہوتا اور اس طرح وہ حالات پر قابو پا لیتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس کے برعکس اس نازک آبگینے (عورت) کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرتے اور اپنے طور پر یہ سوچتے ہیں کہ ہم اس کو سیدھا کر کے چھوڑیں گے تو وہ اس کو سیدھا کرنے میں تو ناکام رہتے ہیں (کیونکہ پیدائشی مزاج اور فطرت کو کوئی نہیں بدل سکتا) البتہ اپنا گھر اجاڑ لیتے ہیں، یعنی معاملہ طلاق تک پہنچ جاتا ہے اور جلد بازی میں طلاق دینا بھی بے حوصلہ اور بے صبر قسم

---

[1] صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث:(59)-1466.

کے لوگوں ہی کا شیوہ ہے۔

وعظ ونصیحت، بستر سے علیحدگی اور کچھ گوشمالی

مذکورہ ہدایات پر عمل کرنے کے باوجود گھر کا ماحول خوشگوار اور عورت کا برتاؤ صحیح نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے مزید تین باتیں اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ وہ تین باتیں حسب ذیل ہیں:

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ﴾

''اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی اور بدماغی سے تم ڈرو، تو انھیں وعظ ونصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں میں چھوڑ دو اور انھیں مار کی سزا دو۔ پس اگر وہ تمھاری فرماں برداری اختیار کرلیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔''[1]

ان تین چیزوں کو جس ترتیب سے بیان کیا گیا ہے، یہ حالات و واقعات پر منحصر ہے کہ ان پر عمل اسی ترتیب سے ممکن ہے یا نہیں۔ بظاہر فطری ترتیب یہی ہے۔

- جب کوئی ناخوشگوار بات سامنے آتی ہے تو وعظ ونصیحت اور تلقین و ہدایت ہی سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔
- یہ کوشش کارگر ثابت نہیں ہوتی، تو مرد اپنی خفگی اور ناراضی کا اظہار بالعموم عورت سے میل جول اور بول چال منقطع کرکے ہی کرتا ہے۔
- اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر تھوڑی بہت گوشمالی کی اجازت ہے، لیکن ایسی جس سے اس کو کوئی جسمانی تکلیف لاحق نہ ہو۔

لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ترتیب بالکل الٹ جاتی ہے اور گوشمالی کی نوبت پہلے آجاتی ہے۔ بہرحال یہ ترتیب ضروری نہیں ہے، ان ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

---

[1] النسآء 4:34.

تیسری بات پر عمل کرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ اس مارنے کی اجازت کو نہایت بھونڈے اور وحشیانہ طریقے سے استعمال کر کے اسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو خوب مارنے پیٹنے کی اور ان پر ظلم کرنے کی اجازت دی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اسلام میں کسی کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت تو انسان کی ہم سفر اور اس کی زندگی کی گاڑی کا دوسرا پہیہ ہے۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی بے کیف بھی ہے اور پُر مشقت بھی۔ عورت اس کی زندگی میں لطف و سرور بھی پیدا کرتی ہے اور اس کی مشقتوں (گھریلو ذمے داریوں) کا بوجھ بھی اٹھاتی ہے۔ اس کو تھوڑا بہت مارنے کی اجازت کا مطلب صرف پہیے کی اصلاح ہے، تاکہ زندگی کی گاڑی صحیح طریقے سے رواں دواں رہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر مارنے کی ضرورت پیش آ ہی جائے تو ایسی ہلکی مار مارو کہ جس سے کوئی نشان نہ پڑے اور اسی طرح چہرے پر بھی نہ مارو۔[1]

حَکَمین (دو ثالث) مقرر کرنے کی تلقین

گھر کی چار دیواری کے اندر اپنے طور پر مذکورہ تینوں ہدایات پر عمل کرنے کے باوجود میاں بیوی کے درمیان تلخی اور کشیدگی دور نہ ہو، تو پھر آخری چارۂ کار کے طور پر اللہ تعالیٰ نے باہر کے لوگوں کو مداخلت کر کے اِن کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا ؕ﴾

''اور اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان اختلاف کا ڈر ہو (کہ وہ ختم نہیں ہو رہا) تو ایک ثالث (صلح کرانے والا) مرد والوں کی طرف سے اور ایک ثالث عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں اصلاح کے خواہش مند ہوں گے، تو اللہ ان کے درمیان

[1] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142.

ہم آہنگی (موافقت) پیدا فرما دے گا۔‘‘[1]

ان کی سعی مصالحت کامیاب نہ ہو، تو پھر ان کو قضا کا اگر اختیار ہو گا تو یہ اس کے مطابق علیحدگی کا فیصلہ کر دیں گے یا یہ حاکم مجاز کو رپورٹ دیں گے، وہ ان کا فیصلہ کر دے گا۔

طلاق دینے سے قبل یہ سارے مراحل اختیار کرنے کی تاکید اسی لیے کی گئی ہے کہ طلاق تک پہنچنے والا اختلاف طلاق کے بغیر ہی حل ہو جائے۔ تاہم اس کے باوجود بھی اگر طلاق کے بغیر چارہ نہ ہو، تو طلاق کے لیے بھی ایسے آداب بتلائے گئے ہیں کہ ان سے طلاق دینے کے بعد بھی صلح و رجوع کے امکانات باقی رہتے ہیں۔ وہ آداب حسب ذیل ہیں:

طلاق دینے کے آداب

❁ اس سلسلے میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ طلاق طُہر کی حالت میں صحبت کیے بغیر دی جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾

’’تم طلاق عدت (کے آغاز) میں دو۔‘‘[2]

عدت کے آغاز سے مراد عورت کا حیض سے پاک ہونا ہے، حالت طُہر عدت کا آغاز ہے۔

اس پہلی ہدایت ہی کو ملحوظ رکھنے سے طلاق کی شرح بہت کم ہو سکتی ہے۔ عام طور پر غصہ اور اشتعال میں فوراً طلاق دے دی جاتی ہے۔ اگر انسان طلاق دینے کے اس ادب کو ملحوظ رکھے تو ایسے طہر کے انتظار میں، جس میں وہ ہم بستری نہ کر سکے، اس کا غصہ اور اشتعال ختم یا کم ہو جائے گا، اور صرف وہی شخص طلاق دے گا جس نے طلاق دینے کا قطعی اور حتمی فیصلہ کر رکھا ہو گا۔

❁ دوسرا ادب یہ ہے کہ طلاق صرف ایک ہی دی جائے، بیک وقت تین طلاقیں دینا کسی بھی

---

[1] النسآء 4:35. [2] الطلاق 65:1.

مسلک کی رُو سے صحیح طریقہ نہیں ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے بھی اس پر سخت ناراضی اور برہمی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے کتاب اللہ کے ساتھ تَلَعُّب (کھیلنا) قرار دیا ہے۔[1]

ایک طلاق کے فوائد

اس ایک طلاق کا فائدہ یہ ہے کہ خاوند کو اگر طلاق کے بعد ندامت اور غلطی کا احساس ہو تو وہ عدت (3 حیض یا 3 مہینے) کے اندر رجوع کر سکتا ہے، عدت گزر جائے تو ان کے درمیان بالاتفاق دوبارہ نکاح کے ذریعے سے تعلق قائم ہو سکتا ہے، اس میں کسی بھی مسلک کا اختلاف نہیں ہے۔

دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد بھی اسی طرح عدت کے اندر رجوع اور عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مرد کو زندگی میں دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کرنے کا حق دیا ہے، یعنی ایک مرتبہ وہ طلاق دے کر رجوع کر لے، پھر کچھ عرصے کے بعد دوبارہ طلاق دے کر رجوع کر لے تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن اس نے اس طرح کر کے اپنے دونوں حق استعمال کر لیے ہیں۔ اب اگر کسی موقع پر تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو اس کے لیے عدت کے اندر رجوع کرنا جائز ہوگا، نہ عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز۔ تا آنکہ اس کی مطلقہ بیوی کسی اور جگہ اپنی مرضی (اور اولیاء کی اجازت) سے باقاعدہ شادی کر لے، پھر اتفاق سے وہ خاوند فوت ہو جائے یا اپنی مرضی سے طلاق دے دے، تب پہلے خاوند سے اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا۔

مُرَوّجہ حلالہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے

پہلے خاوند سے نکاح جائز کرنے کی نیت سے کسی سے مشروط نکاح کرنا، جسے ''حلالہ'' کہا

[1] سنن النسائي، الطلاق، باب الطلاق الثّلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، حديث: 3430 والمحلى لابن حزم، أحكام الطلاق: 10/167.

جاتا ہے، نکاح نہیں، زنا کاری ہے۔ اس پر نبیٔ اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

”حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔“[1]

جس کام پر نبی ﷺ لعنت اور بددعا فرمائیں، وہ کام کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اس لیے مروجہ حلالہ لعنتی فعل ہے، اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

بہرحال بیک وقت تین طلاقیں دینے کی بجائے، ایک طلاق دینا ہی طلاق کا احسن طریقہ ہے۔ اس طریقۂ طلاق سے وہ خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں جو بیک وقت تین طلاقیں دینے سے پیدا ہوتی ہیں اور نہ علماء کے درمیان کوئی اختلاف ہی پیدا ہوتا ہے اور نہ حلالۂ مروجہ کی ضرورت ہی پیش آتی ہے جو لعنتی فعل ہے۔ علاوہ ازیں اس سے طلاق کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ طلاق دینے کے بعد اگر رجوع نہ کیا جائے حتی کہ تین حیض گزر جائیں تو طلاق مؤثر ہو جاتی ہے اور عورت کا تعلق پہلے خاوند سے ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ جہاں چاہے، نکاح کر سکتی ہے۔

✿ تیسرا ادب طلاق کا یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد (پہلی اور دوسری طلاق میں) عورت کو گھر سے نہ نکالا جائے، نہ وہ خود گھر سے نکلے بلکہ وہ خاوند ہی کے گھر میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾

”(طلاق دینے کے بعد) ان عورتوں کو گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔“[2]

اس کی حکمت خود اللہ تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے:

---

[1] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحل والمحلل له، حديث:1120 وسنن النسائي، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا......، حديث: 3445 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب المحلل والمحلل له، حديث:1934، 1935 واللفظ له.

[2] الطلاق 1:65.

﴿لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○﴾

''تم نہیں جانتے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔''[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے، اس کے گھر ہی میں رہنے کی وجہ سے اسے اس پر ترس آ جائے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اسی لیے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین کی ہے اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔[2]

ہمارے معاشرے میں اس ہدایت کی بھی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور مرد کے طلاق دیتے ہی عورت کو اس کے والدین یا بہن بھائی وغیرہ لے جاتے ہیں اور عورت کو خاوند کے گھر میں رہنے ہی نہیں دیتے، حالانکہ طلاق بتہ (طلاق بائنہ، یعنی تیسری طلاق) کے بعد تو ایسا کرنا صحیح ہے کیونکہ اس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے کا حق ہی نہیں ہے لیکن پہلی اور دوسری طلاق کے بعد ایسا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے، اس لیے اس کے گھر میں رہنے سے صلح و مفاہمت کا امکان موجود رہتا ہے، اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

✿ ایک چوتھا ادب یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ طلاق دینے کے بعد رجوع نہ ہو سکے تو مطلقہ عورت کو اچھے طریقے سے رخصت کیا جائے۔ ﴿ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾[3] کا مطلب یہی ہے۔ علاوہ ازیں اس موقع پر انھیں کوئی ہدیہ یا تحفہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:

---

[1] الطلاق 1:65.

[2] فتح القدیر للإمام الشوکاني: 288/5.

[3] البقرة 229:2.

﴿وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○﴾

''اور ان (مطلقہ) عورتوں کو فائدہ پہنچاؤ! خوش حال پر اس کی طاقت کے مطابق (فائدہ پہنچانا) ہے اور تنگ دست پر اس کی طاقت کے مطابق، دستور کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے، یہ احسان کرنے والوں کے لیے ضروری ہے۔''[1]

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○﴾

''اور مطلقہ عورتوں کو دستور کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے، یہ پرہیزگاروں کے لیے ضروری ہے۔''[2]

اس ''متاع'' (فائدے) کی بابت بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد خادم یا500 درہم یا ایک یا چند سوٹ وغیرہ ہیں لیکن یہ تعیین شریعت کی طرف سے نہیں ہے، شریعت میں ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق متاع دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ علاوہ ازیں یہ متعۂ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا چاہیے۔ قرآن کریم کی مذکورہ دوسری آیت سے عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

اس حکم متاع میں جو حکمت اور فوائد ہیں، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ تلخی، کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصومتوں کے سدّ باب کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان وسلوک کی بجائے، مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر قرآنی حکم کے مطابق تفریق کے اس موقع پر حسن سلوک اور تطییب قلوب (دلجوئی) کا اہتمام کیا جائے تو اس کے

---

[1] البقرة 2:236. [2] البقرة 2:241.

شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش! مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل کریں جسے انھوں نے فراموش کر رکھا ہے۔

آج کل کے بعض ''مجتہدین'' نے متاعٌ اور مَتِّعُوهُنَّ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ عورت کو اپنی جائیداد میں سے باقاعدہ حصہ دو یا عمر بھر نان ونفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ سمجھ کر اپنی زندگی ہی سے خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہوگا؟ یا اپنی جائیداد میں سے اسے حصہ دے گا؟

بیک وقت تین طلاقیں دینے کے نقصانات

- بیک وقت تین طلاقیں دینا، ایک تو نبیٔ اکرم ﷺ کی ہدایات اور قرآن کریم کے خلاف ہیں، گویا اس میں قرآن وسُنت سے صریح انحراف ہے۔
- اسے رسول اللہ ﷺ نے تَلَعُّبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ (اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل، مذاق) قرار دیا ہے اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل مذاق بھی کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔
- اسے فقہی مذاہب کو اہمیت دینے والے تین ہی شمار کر لیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت اور منشا فوت ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلی اور دوسری طلاق میں رکھی ہے کہ انسان اس میں طلاق دینے کے بعد آنے والی مشکلات پر سوچ بچار کر لے۔ اگر وہ محسوس کرے کہ طلاق سے اس کی پیچیدگیوں اور پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے تو وہ مذکورہ دونوں بتلائی ہوئی طلاقوں میں عدت کے اندر رجوع اور عدت گزر جانے کے بعد اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔
- بیک وقت تین طلاقوں کے نفاذ سے صلح ومفاہمت کے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں جس سے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور معصوم بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیک وقت

تین طلاقیں تمام فقہی مذاہب والوں کے نزدیک بھی جائز نہیں (گو وہ اس کے اجراء و نفاذ کے قائل ہیں) حتی کہ ستمبر 2001ء کے اخبارات میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش بھی شائع ہوئی ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ یہ ایک اچھی تجویز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر ان مجموعی طلاقوں کو جبکہ طلاق دینے والے کی نیت صرف ایک طلاق دینا ہی ہو اور تین کا لفظ اس نے تاکید کے طور پر استعمال کیا ہو، اسے ایک ہی طلاق شمار کیا جائے، تو اس قانون سے عوام کو فوری سہارا (Relief) ملے گا، عوام کو فوری سہارے کی ضرورت ہے نہ کہ تعزیر (سزا) کی، موجودہ حالات اور عوام کی جہالت کے پیش نظر ہمارے اس نقطۂ نظر کی بہت سے علمائے احناف نے بھی تائید کی ہے جس کی ضروری تفصیل آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

طلاق مرد کا حق ہے

طلاق کے مذکورہ آداب اور انھیں نظر انداز کرنے کے نقصانات تو ضمنی طور پر اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ مرد اپنا یہ حق صحیح طریقے سے استعمال کریں اور اسے غلط طریقے سے استعمال کر کے اسلام کی بدنامی کا باعث نہ بنیں کیونکہ اسلام نے انھیں یہ حق اس لیے نہیں دیا کہ وہ اس کے ذریعے سے عورتوں پر ظلم کریں یا اسلام کو بدنام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو یہ حق دے کر ان کی فوقیت و برتری کا اثبات کیا ہے، انھیں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا چاہیے، نہ کہ وہ اس استحقاق کی نفی کریں۔

عورت کو اللہ نے طلاق کا حق نہیں دیا

عورت کو اللہ نے یہ حق نہیں دیا کہ وہ مرد کو جب چاہے طلاق دے کر مرد سے علیحدہ ہو جائے، اس لیے کہ عورت مرد کے مقابلے میں جسمانی اعتبار سے بھی کمزور ہے اور ذہنی و دماغی

صلاحیتوں میں بھی کم تر۔ جسمانی کمزوری کی وجہ سے اس کے اندر صبر وضبط کی کمی ہے اور دماغی صلاحیتوں میں تفاوت کی وجہ سے اس کے اندر سوچنے سمجھنے کی استعداد بھی کم ہے اور ان دونوں کمزوریوں کی وجہ سے اس کے فیصلے میں عجلت اور جذباتیت کا عنصر غالب رہتا ہے، اگر عورت کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو وہ اپنا یہ حق نہایت جلد بازی یا جذبات میں آکر استعمال کرلیا کرتی اور اپنے پیروں پر آپ کلہاڑا مارلیا کرتی، اس سے معاشرتی زندگی میں جو فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا، اس کا تصور ہی نہایت روح فرسا ہے، اس کا اندازہ آپ مغرب اور یورپ کی ان معاشرتی رپورٹوں سے لگا سکتے ہیں جو وہاں عورتوں کو حق طلاق مل جانے کے بعد مرتب اور شائع ہوئی ہیں۔

ان رپورٹوں کے مطالعے سے اسلامی تعلیمات کی حقانیت کا اور عورت کی اس کمزوری کا اثبات ہوتا ہے جس کی بنا پر مرد کو تو حق طلاق دیا گیا ہے لیکن عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ عورت کی جس زُود رنجی، سریع الغضبی، ناشکرے پن اور جذباتی ہونے کا ہم ذکر کر رہے ہیں، حدیث سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَرَأَيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ، قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلٰى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ»

''میں نے جہنم کا مشاہدہ کیا تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی، (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ ناشکری کا ارتکاب کرتی ہیں۔'' پوچھا گیا: کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''(نہیں) وہ خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم عمر بھر ایک عورت کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر وہ تمھاری طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھ لے جو

اسے ناگوار ہو تو وہ فوراً کہہ اٹھے گی کہ میں نے تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں۔''[1]

جب ایک عورت کی افتادِ طبع اور مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر کے احسان کو مرد کی کسی ایک ناگوار بات پر فراموش کر دیتی ہے تو اسے اگر حق طلاق مل جاتا تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس آسانی کے ساتھ وہ اپنا گھر اجاڑ لیا کرتی۔ اور عورت کے اس مزاج کو نبیٔ کریم ﷺ ہی نے بیان نہیں فرمایا بلکہ دانش ورانِ مغرب اور ان کے مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ بہر حال عورت کی یہی وہ کمزوری ہے جس کی وجہ سے اللہ نے مرد کو تو حق طلاق دیا ہے لیکن عورت کو نہیں دیا، اس لیے کہ اس میں عورت ہی کا مفاد ہے۔ عورت کا مفاد ایک مرد سے وابستہ اور اس کا رفیقۂ حیات بن کر رہنے ہی میں ہے، نہ کہ گھر اجاڑنے میں۔ اور عورت کے اس مفاد کو، عورت کے مقابلے میں مرد ہی صبر وضبط اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کر کے زیادہ ملحوظ رکھتا اور رکھ سکتا ہے۔ بنابریں اسلام کا یہ حکم بھی عورت کے مفاد ہی میں ہے، گو آج کی عورت گمراہ کن پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اسے اپنے پر ظلم تصور کرے۔ لیکن اللہ ارحم الراحمین نے اس قانون طلاق کے ذریعے سے اس پر اس کی فطری کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے، رحم ہی فرمایا ہے، اس پر ظلم نہیں کیا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾

''اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''[2]

اس کی مزید تفصیل وتشریح کے لیے ملاحظہ ہو، الطاف احمد اعظمی صاحب کا مضمون ''اسلام کا قانون طلاق'' جو اس کتاب میں شامل ہے۔

---

[1] صحیح البخاري، الإیمان، باب کفران العشیر و کفردون کفر، حدیث: 29.

[2] حٰمٓ السجدة 46:41.

مسئلہ طلاق ثلاثہ اور اس کی نوعیت

گزشتہ تفصیلات سے واضح ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر غصّے اور اشتعال میں آ کر طلاق دے دینا شرعاً پسندیدہ امر ہے، نہ مرد کے شایانِ شان ہی۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے بجائے مرد کو طلاق کا حق اسی لیے دیا ہے کہ مرد عورت کے مقابلے میں زیادہ حوصلہ مند اور زیادہ ضبط و تحمل کا مالک ہے لیکن اکثر لوگ اپنے شیوۂ مردانگی کو بھول جاتے ہیں اور غصے اور جذبات میں آ کر فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں، پھر جب غصہ اور جذبات ٹھنڈے پڑتے ہیں تو ہوش آتا ہے اور دیکھتے ہیں کہ ان کا تو ہنستا بستا گھر ہی اجڑ گیا ہے، ان کا گلستاں خزاں دیدہ اور ان کے مستقبل کا شیش محل چکنا چور ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ طلاق دینے کا طریقہ بھی غلط اختیار کرتے ہیں، یعنی بیک وقت تین طلاقیں دے دیتے ہیں جو متفقہ طور پر ناجائز طریقہ ہے، حالانکہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالت طُہر میں، بغیر صحبت کیے، صرف ایک طلاق دی جائے اور وہ بھی صرف اُس صورت میں کہ اِس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

صحیح طریقۂ طلاق اختیار کرنے کا فائدہ

اس طرح طلاق دینے کا فائدہ یہ ہے (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کی گئی ہے) کہ اِس کے

بعد اگر رجوع اور صلح کی صورت بن جائے تو محدثین اور فقہائے اربعہ سب کے نزدیک تین حیض یا تین مہینے کے اندر رجوع، اور عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اور اگر طلاق دینے کے بعد رجوع نہ ہو اور عدت (تین حیض) گزر جائے تو ان کے مابین تعلق زوجیت ختم ہوجائے گا۔ مطلقہ بیوی اس کے بعد آزاد ہے، جہاں چاہے نکاح کرے حتی کہ پہلے خاوند سے بھی نکاح کرسکتی ہے۔ اس طریقے میں دوسری اور تیسری طلاق دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اور موٹی سی بات ہے کہ جب ایک ہی مرتبہ طلاق دینے سے مسئلہ حل ہوجاتا ہے تو بیک وقت تین طلاقیں کیوں دی جائیں؟

لیکن ہمارے ملک میں جہالت عام ہے حتی کہ وکلاء اور عرضی نویس حضرات بھی بالکل بے علم ہیں اور جس طرح جاہل لوگ بغیر سوچے سمجھے ایک ہی سانس میں تین طلاقیں دے دیتے ہیں، اگر کوئی وکیل یا وثیقہ نویس سے طلاق لکھواتا ہے تو وہ بھی تین طلاقیں لکھ کر اس کے حوالے کردیتے ہیں، حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے پر شدید غصے کا اظہار فرمایا ہے اور اسے اللہ کی کتاب کے ساتھ استہزا اور مذاق قرار دیا ہے۔ اور اسی غلط طریقے کی وجہ سے پھر اختلاف بھی واقع ہوتا ہے۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ اس طرح تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور اب حلالے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس کے بغیر دونوں کا دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، حالانکہ اسلام میں حلالے کا کوئی تصور نہیں ہے، یہ ایک لعنتی فعل ہے جسے کوئی غیرت مند مرد اور عورت برداشت نہیں کرسکتی اور نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور حلالہ کرنے والے کو کرائے کا سانڈ قرار دیا ہے، جیسے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ، لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''کیا میں تمھیں کرائے کا سانڈ بتلاؤں''؟ صحابہ نے کہا: ہاں، ضرور بتلائیے اے اللہ

کے رسول! آپ نے فرمایا: ''وہ حلالہ کرنے والا ہے، اللہ حلالہ کرنے والے پر لعنت فرمائے اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کروایا جائے۔''[1]

اس کے برعکس دوسرے علماء کا موقف یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق رجعی شمار ہوں گی، یعنی اس کے بعد خاوند اگر رجوع کرنا چاہے تو تین مہینے کی عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے، اس کے لیے اسے نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اگر عدت گزرنے کے بعد صلح کرنا چاہیں گے تو پھر نکاح ضروری ہے اور حلالے کے بغیر ان کا باہم نکاح کرنا جائز ہوگا۔ پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ طلاق میں یہی حکم ہوگا، البتہ تیسری مرتبہ طلاق کے بعد نہ رجوع ہوسکتا ہے اور نہ نکاح ﴿حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ﴾ ''یہاں تک کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔'' اس موقف کے مختصر دلائل حسبِ ذیل ہیں:

قرآنی دلیل

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾

''طلاق دو مرتبہ ہے، پس (اس کے بعد) بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا۔''[2]

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو طلاق دینے کے بعد بیوی سے رجوع کرکے اپنے پاس روک لینے یا طلاق کو مؤثر کرکے احسان کے ساتھ اسے اپنے سے جدا کر دینے کا دو مرتبہ حق حاصل

---

[1] سنن ابن ماجه، النكاح، باب المحلل والمحلل له، حديث:1936 والمستدرك للحاكم، الطلاق: 199/2، حديث: 2805 والسنن الكبرى للبيهقي، النكاح، باب ماجاء في نكاح المحلل: 208/7.

[2] البقرة 229:2.

ہے، البتہ تیسری طلاق کے بعد یہ حق نہیں، تیسری طلاق کے بعد بیوی ہمیشہ کے لیے ہو جاتی ہے، اس سے رجوع ہو سکتا ہے نہ نکاح، یہاں تک کہ وہ کسی اور شخص سے آباد ہونے کی نیت سے باقاعدہ نکاح کرے، پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پہلے خاوند سے اس کا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم کے اس اندازِ بیان سے صاف واضح ہے کہ ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دے دینا یا ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین شمار کر کے بیوی کو ہمیشہ کے لیے جدا کر دینا، قرآن کے مذکورہ حکم سے متصادم ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد سوچنے اور نظر ثانی کا موقع اور گنجائش باقی ہے لیکن لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے موقع اور گنجائش کو ختم کر دیتے ہیں جو کسی لحاظ سے بھی صحیح اور مستحسن نہیں، کیونکہ اس طرح وہ حکمت فوت ہو جاتی ہے جو پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کرنے کی گنجائش میں مضمر ہے، اس لیے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق رجعی شمار کرنا، جس کے بعد عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہو، قرآن کریم کی رُو سے زیادہ صحیح ہے اور ذیل کی احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

احادیث سے استدلال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو بَنِي مُطَّلِبٍ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا، قَالَ: فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ: فَقَالَ: فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ،

فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ، قَالَ: فَرَجَعَهَا»

''حضرت رُکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں لیکن بعد میں سخت غمگین ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''تم نے اسے کس طرح طلاق دی تھی؟'' انھوں نے کہا: تین مرتبہ۔ آپ نے پوچھا: ''ایک ہی مجلس میں طلاقیں دی تھیں؟'' انھوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ''پھر یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے، اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔'' راویٔ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کے بعد حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً»

''عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک (ایک مجلس کی) تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھیں۔''[2]

ان دونوں حدیثوں سے بھی واضح ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق رجعی شمار ہوں گی۔

متعدد حنفی علماء کا اعتراف

انھی مذکورہ دلائل قرآن وحدیث کی بنیاد پر موجودہ دور کے بہت سے علمائے احناف نے

---

① مسند أحمد :123/4، بہ تحقیق احمد شاکر۔ اس حدیث کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں: هذا الحديث نص في المسئلة لايقبل التأويل الذي في غيره من الروايات (فتح الباری:362/9)

② صحیح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث : 1472 والمستدرك للحاكم ، الطلاق:196/2، حديث: 2793 و سنن الدارقطني، الطلاق، حديث:3961.

بھی یہی موقف اختیار کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا اور عدت گزرنے کے بعد بہ نکاح جدید (بغیر حلالۂ مروّجہ کے) اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے گھر بسانے کا حق حاصل ہے۔ جیسے مولانا سعید احمد اکبر آبادی، (مدیر ماہنامہ ''برہان'' دہلی) مولانا عبدالحلیم قاسمی، (جامعہ حنفیہ گلبرگ، لاہور) مولانا پیر کرم شاہ ازہری، (جج سپریم اپیلیٹ شریعت بنچ، پاکستان) مولانا حسین علی واں بھچراں اور دیگر حضرات ہیں جس کی تفصیل ''ایک مجلس کی تین طلاق'' نامی کتاب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس کتاب میں پیر کرم شاہ ازہری کا ایک مدلل مقالہ بھی شامل ہے جس میں اسی مسلک کی تائید کی گئی ہے۔ (ان کے مقالات وفتاوٰی کی ضروری تلخیص آگے آئے گی اور ان کے علاوہ دیگر علماء کے فتاوی اور مقالات بھی آگے آپ ملاحظہ فرمائیں گے)

مثال کے طور پر مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی سے پوچھا گیا کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن زید کو اپنی بیوی سے نہایت الفت ہے اور مفارقت ناقابل برداشت، لہٰذا بدرجۂ مجبوری مذہب شافعی کی تقلید کرتے ہوئے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا عبدالحی مرحوم نے فرمایا: ''ضرورتِ شدیدہ کے وقت مذہب شافعی کی تقلید کرنا جائز ہے۔''[1]

مولانا مرحوم کا مطلب یہ ہے کہ اگر مفاسد کا اندیشہ ہو تو دوسرے مذہب کے فتویٰ کے مطابق نکاح کر کے اپنا گھر آباد کر لیا جائے۔ یہی اجازت مولانا کفایت اللہ مرحوم مفتئ اعظم ہند نے بھی مخصوص حالات کے لیے دی ہے، چنانچہ ان کے مجموعۂ فتاوٰی میں ایک سوال کا جواب درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک حنفی نے طلاق ثلاثہ کے بعد اہل حدیث عالم سے فتویٰ لے کر اپنی بیوی سے رجوع کر لیا جس پر دوسرے علماء نے اہل حدیث مفتی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا

---

[1] فتاوٰی مولانا عبدالحی، ص: 166.

اس کے مقاطعے کا حکم دیا اور مسجد میں آنے سے روک دیا۔ (سوال کیا گیا کہ) کیا یہ فعل جائز ہے؟ اس کا جواب دیا گیا:

''ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس وعکرمہ وابن اسحاق رحمہم اللہ سے منقول ہے، پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور نہ مستحق إخراج عنِ المسجد ہے۔ ہاں! حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا تو یہ بہ اعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔ لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطراری حالت میں اس کا مرتکب ہوا ہو تو قابل درگزر ہے۔''[1]

اس تفصیل سے واضح ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایک ہی شمار کرنے میں اہل حدیث منفرد نہیں ہیں بلکہ عصرِ صحابہ سے عصرِ حاضر تک ہر دور میں ایسے علماء وائمہ موجود رہے ہیں جو اسے ایک طلاق رجعی شمار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اس مسئلے میں اہل حدیث کو بلا وجہ مَطعُون کرتے اور ان کے خلاف گوہر افشانی کرتے ہیں۔

---

[1] کفایت المفتی: 361/6.

مسئلۂ طلاقِ ثلاثہ میں بعض حضرات کے دعاوی اور ان کی حقیقت

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ موضوعِ زیر بحث کے ضروری گوشوں کی وضاحت کر دی جائے تاکہ اہل حدیث پر اڑایا ہوا گرد وغبار صاف اور مسئلے کی مناسب تنقیح ہو جائے۔ احناف کے دعووں کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

دعویٰ : 1 ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا فتویٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

دعویٰ : 2 کسی صحابی وتابعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے سے اختلاف کیا ہو۔ احناف کا دعویٰ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا، کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔

دعویٰ : 3 مسئلہ طلاقِ ثلاثہ میں احناف کا مذہب ائمہ اربعہ کا مذہب ہے جو اِجماعِ اُمّت کے مترادف ہے۔

دعویٰ : 4 مسئلہ طلاق ثلاثہ میں اہل حدیث اجماع امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقش قدم پر ہیں۔[1]

---

[1] اختلاف امت اور صراط مستقیم از مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

[آخ]ری گزارشات: اصل مسئلے کی نوعیّت اور اس کے دلائل مختصراً ہم بیان کر آئے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم موضوع کی تفصیلات سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے صِرف مذکورہ چار باتوں ہی پر بحث کریں گے۔إن شاء اللہ. اسی سے مسئلے کے اہم پہلو بھی مزید واضح ہو جائیں گے اور مسلک اہل حدیث کی حقّانیت بھی۔ والله الموفق للصواب.

حضرت عمر کے اجتہادی فتوے یا تدبیری اقدام کی حیثیت

دعویٰ: 1

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا فتویٰ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محولہ بالا فتویٰ ہی پر اگر فقہی تعصب سے الگ ہو کر غور کر لیا جائے تو مسئلے کی شاہ کلید ہاتھ میں آ جاتی ہے اور مسئلے کا حل نکل آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس معاملے (طلاق) میں لوگوں کو سوچ بچار سے کام لینا چاہیے تھا اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں،

لہٰذا ہم کیوں نہ اس کو نافذ کر دیں، چنانچہ آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔''[1]

اس حدیث کو ایک لفظ یا ایک مجلس میں تین طلاقوں کو تین ہی طلاقیں شمار کرنے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا ہے۔ لیکن اِسی حدیث سے یہ بھی تو واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ خود عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تعامل کیا تھا؟ یہی نا کہ تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ انصاف سے سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ تعاملِ امت زیادہ صحیح ہے جو عہد رسالت و عہد صدیقی اور اس کے دو سال بعد تک رہا یا وہ تعامل جس کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال بعد ہوا، یعنی تعامل عہد رسالت و صدیقی فوقیت رکھتا ہے یا تعاملِ عہدِ عمر؟

بنا بریں واقعہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی یہ حدیث جسے ہمارے بھائی طلاقِ ثلاثہ کے اثبات میں پیش کرتے ہیں، اسی مسلک کی تائید کرتی ہے جس میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کرنے کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

فتاویٰ فاروقیہ کی حقیقت

رہی یہ بات کہ عہد رسالت و عہد صدیقی کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں حکم نافذ کیا؟ تو گزارش ہے کہ اسی حدیث میں اس کی یہ وجہ بیان کر دی گئی ہے کہ لوگ کثرت سے طلاقیں دینے لگ گئے تھے جبکہ شریعت نے اس میں انتہائی غور و فکر اور صبر و تحمل سے کام لینے کی تاکید کی ہے، نیز بیک وقت تین طلاقیں شریعتِ اسلامیہ میں سخت ناپسندیدہ فعل ہے جو نص قرآنی ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کے بھی خلاف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاقوں کو [تلعُّب

---

[1] صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث:1472 والمستدرك للحاكم، الطلاق: 196/2، حديث:2793 و سنن الدارقطني، الطلاق، حديث:3961.

بِكِتَابِ اللّٰهِ] ''کتاب اللہ کے ساتھ کھیل'' قرار دیا ہے۔

سنن نسائی میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں، آپ کو جب معلوم ہوا تو آپ بڑے غضب ناک ہوئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»

''کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ تلعب (کھیل) کیا جا رہا ہے؟''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو اتنا ناپسند فرماتے تھے کہ جس شخص کے متعلق ان کو پتہ چلتا کہ اس نے بیک وقت تین طلاقیں دی ہیں تو اس کی پُشت پر دُرّے لگاتے۔

«أَنَّ عُمَرَ كَانَ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا أَوْجَعَ ظَهْرَهُ» [2]

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے مسئلے میں اس احتیاط و تدبّر سے کام نہیں لیتے جو شریعت کا منشا ہے اور طلاق کا وہ صحیح طریقہ اختیار نہیں کرتے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ ایک ہی طلاق (طلاق بلفظ واحد) حالت طہر میں دی جائے بلکہ بیک وقت تین طلاقیں کثرت سے دینے لگے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا نفاذ کر دیا جائے تاکہ اس سخت اقدام سے لوگوں کو کچھ تنبیہ ہو اور کثرت سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہو۔ یہ گویا ایک تعزیری و تہدیدی اقدام تھا جو اجتہاداً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا جیسا کہ اور بھی کئی مسائل میں انھوں نے ایسے ہی اجتہادی اقدامات کیے تھے۔

---

[1] سنن النسائي، الطلاق ، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، حديث:3430 والمحلى لابن حزم، أحكام الطلاق: 167/10.

[2] فتح الباري، باب من جوز الطلاق الثلاث:362/9 و سنن سعيد بن منصور، الطلاق، باب التعدي في الطلاق، حديث:1073 و شرح معاني الآثار:59/3.

ان مصالح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقدام کا پسِ منظر چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں تھا، اس لیے اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سکوت اختیار فرمایا، چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«رَأَىٰ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَهَانُوا بِأَمْرِ الطَّلَاقِ، وَكَثُرَ مِنْهُمْ إِيقَاعُهُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً، فَرَأَىٰ مِنَ الْمَصْلَحَةِ عُقُوبَتَهُمْ بِإِمْضَائِهِ عَلَيْهِمْ، لِيَعْلَمُوا أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَوْقَعَهُ جُمْلَةً بَانَتْ مِنْهُ الْمَرْأَةُ وَحَرُمَتْ عَلَيْهِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحَ رَغْبَةٍ يُّرَادُ لِلدَّوَامِ لَا نِكَاحَ تَحْلِيلٍ، فَإِنَّهُ كَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ فِيهِ، فَإِذَا عَلِمُوا ذٰلِكَ كَفُّوا عَنِ الطَّلَاقِ الْمُحَرَّمِ، فَرَأَىٰ عُمَرُ أَنَّ هٰذَا مَصْلَحَةٌ لَّهُمْ فِي زَمَانِهِ، وَرَأَىٰ أَنَّ مَا كَانُوا عَلَيْهِ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَهْدِ الصِّدِّيقِ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِهِ كَانَ الْأَلْيَقُ بِهِمْ، لِأَنَّهُمْ لَمْ يَتَتَابَعُوا فِيهِ، وَكَانُوا يَتَّقُونَ اللهَ فِي الطَّلَاقِ، وَقَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ مَنِ اتَّقَاهُ مَخْرَجًا، فَلَمَّا تَرَكُوا تَقْوَى اللهِ وَتَلَاعَبُوا بِكِتَابِ اللهِ وَطَلَّقُوا عَلٰى غَيْرِ مَا شَرَعَهُ اللهُ أَلْزَمَهُمْ بِمَا الْتَزَمُوهُ عُقُوبَةً لَّهُمْ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى إِنَّمَا شَرَعَ الطَّلَاقَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ، وَّلَمْ يَشْرَعْهُ كُلَّهُ مَرَّةً وَّاحِدَةً، فَمَنْ جَمَعَ الثَّلَاثَ فِي مَرَّةٍ وَّاحِدَةٍ فَقَدْ تَعَدّٰى حُدُودَ اللهِ، وَظَلَمَ نَفْسَهُ، وَلَعِبَ بِكِتَابِ اللهِ، فَهُوَ حَقِيقٌ أَنْ يُّعَاقَبَ، وَيُلْزَمَ بِمَا الْتَزَمَهُ، وَلَا يُقَرَّ عَلٰى رُخْصَةِ اللهِ وَسِعَتِهِ، وَقَدْ صَعَّبَهَا عَلٰى نَفْسِهِ، وَلَمْ يَتَّقِ اللهَ وَلَمْ يُطَلِّقْ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ

وَشَرَعَهُ لَهُ، بَلِ اسْتَعْجَلَ فِيمَا جَعَلَ اللهُ لَهُ الْأَنَاةَ فِيهِ رَحْمَةً مِّنْهُ وَإِحْسَانًا، وَلَبَّسَ عَلٰى نَفْسِهِ، وَاخْتَارَ الْأَغْلَظَ وَالْأَشَدَّ فَهٰذَا مِمَّا تَغَيَّرَتْ بِهِ الْفَتْوٰى لِتَغَيُّرِ الزَّمَانِ، وَعَلِمَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، حُسْنَ سِيَاسَةِ عُمَرَ وَتَأْدِيبَهُ لِرَعِيَّتِهِ فِي ذٰلِكَ، فَوَافَقُوهُ عَلٰى مَا أَلْزَمَ بِهِ»

اعلام الموقعین کے اُردو ترجمہ بنام ''دین محمدی'' (از: مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ) میں مذکورہ عربی عبارت کا ترجمہ حسبِ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ ایک مصلحت وقت کی اقتضا کا کام تھا، نہ کہ شرعی مسئلہ، ایک کام جو منع تھا، جو خلافِ سنت تھا لیکن اگر کسی سے ہو جائے تو شریعت اسے پکڑتی نہ تھی جب لوگوں نے بکثرت بے خوف ہو کر اسے شروع کر دیا تو آپ نے بحیثیت قانون یہ حکم فرمایا کہ میں آئندہ سے تین کو تین ہی گن لوں گا۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ لوگ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے باز رہ جائیں، ورنہ پھر تین سال تک یہ حکم شرعی کیوں جاری نہ کیا، پس یہ حکم شرعی نہیں بلکہ قانونی حیثیت رکھتا ہے کہ لوگ ڈر جائیں کہ اگر اب ہم نے ایسا کیا تو بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ اور نکاح بھی باقاعدہ رغبت کے ساتھ دوام کے لیے ہو، نہ یہ کہ حلالہ کر کے چھوڑ دے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلالہ کے سخت ترین مخالف تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال یہ ہوا کہ پہلے لوگوں کے لائق جو تھا اس سے وقت کے لوگ محروم کر دیے جانے کے قابل ہو گئے ہیں وہ اس طرح پے در پے طلاقیں نہیں دیتے تھے، طلاق کے معاملے میں طریقۂ طلاق کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اللہ سے ڈرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ آسانی کر رکھی تھی۔ اب جبکہ یہی چیز برابر

ہونے لگی تو کیا انھیں اس انعام الٰہی سے محروم نہ کر دیں تا کہ ان کے دماغ اور ان کے فعل پھر درست ہو جائیں، پس یہ فتویٰ گویا ایک درۂ فاروقی تھا جو ان کی سزا کے لیے تھا نہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم شرعی بدل دیا۔

مشروع طلاق ایک کے بعد ایک ہے نہ کہ سب ایک ساتھ۔ جو ایسا کرتا ہے وہ حد سے گزر جاتا ہے، اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور احکامِ الٰہی کے ساتھ کھیل کرتا ہے، پس وہ اس قابل ہو گیا کہ حاکم وقت بطور سزا دہی کے اس پر کوئی سختی کر دے۔ یہ اللہ کی آیتوں سے کھیلتا ہے تو کیوں نہ رخصت الٰہی سے محروم کر دیا جائے تا کہ اس کی آنکھیں کھل جائیں، پس یہ تو اسی قبیل سے ہے کہ زمانے کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اس حکمت کو مدنظر رکھ کر سیاست فاروقی کا ساتھ صحابہ نے بھی دیا اور ایسے ہی فتوے دینے شروع کیے۔" ①

اسی طرح امام ابن القیم رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہادی اقدام کی معاشرتی مصلحتیں اور اس میں کارفرما دیگر اسباب و وجوہ "إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان" میں بھی بیان فرمائے ہیں۔ ②

خود حنفی فقہاء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق سمجھی جاتی تھیں، پھر لوگوں کی کثرتِ طلاق کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا حکم سیاسی تدبیر کے طور پر نافذ کر دیا، چنانچہ امام طحاوی درمختار کے حاشیے میں قہستانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

«إِنَّهُ كَانَ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ إِذَا أَرْسَلَ الثَّلَاثَ جُمْلَةً لَّمْ يُحْكَمْ إِلَّا بِوُقُوعِ وَاحِدَةٍ إِلٰى زَمَنِ عُمَرَ، ثُمَّ حَكَمَ بِوُقُوعِ الثَّلَاثِ

---

① دین محمدی، ج:2، حصہ پنجم، ص:804، طبع لاہور. إعلام الموقعین 3/35،36- 1969ء.

② إغاثة اللهفان: 1/315،349،351،352.

سَيَاسَةً لِّكَثْرَتِهِ مِنَ النَّاسِ»①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ ندامت

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بطور سزا کے تھا۔ اور بعض سزائیں حالات وظروف کے اعتبار سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو جاری کرتے وقت یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے بلکہ انھوں نے اس کی نسبت اپنی طرف ہی کی ہے۔

«فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»②

چنانچہ آخری ایام میں انھیں اس بات کا احساس بھی ہوا کہ مجھے بطور سزا بھی یہ اقدام نہیں کرنا چاہیے تھا جس پر انھوں نے اظہارِ ندامت بھی کیا۔③

پس ایک تعزیری اور اجتہادی اقدام کو دین وشریعت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، بالخصوص جبکہ عہدِ رسالت وعہدِ صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔

حقیقت دعوائے اجماع

اسی طرح اس پر اجماع کا دعویٰ بھی یکسر غلط ہے، اس لیے کہ اجماع کے متعلق خود اصول فقہ حنفی میں یہ لکھا ہے:

① حاشية طحطاوي على الدرالمختار:105/2، دارالمعارف، بيروت، لبنان،1975ء وجامع الرموز:321 ومجمع الأنهر شرح منتقى الأبهر:328.

② صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث:1472والسنن الكبرى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة......:336/7.

③ ملاحظہ ہو: إغاثة اللهفان:351/1.

«وَالشَّرْطُ إِجْمَاعُ الْكُلِّ وَخِلَافُ الْوَاحِدِ مَانِعٌ كَخِلَافِ الْأَكْثَرِ، يَعْنِي فِي حِينِ انْعِقَادِ الْإِجْمَاعِ لَوْ خَالَفَ وَاحِدٌ كَانَ خِلَافُهُ مُعْتَبَرًا وَّلَايَنْعَقِدُ الْإِجْمَاعُ لِأَنَّ لَفْظَ الْأُمَّةِ فِي قَوْلِهِ لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ يَتَنَاوَلُ الْكُلَّ فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُونَ الصَّوَابُ مَعَ الْمُخَالِفِ»

''اجماع کے لیے ''کل'' کا اتفاق شرط ہے اور ایک کا اختلاف بھی اجماع کے انعقاد میں اسی طرح مانع ہوگا جس طرح بہتوں کا اختلاف، اس لیے اجماع کے وقت اگر ایک بھی مخالف ہوگا تو اجماع منعقد نہ ہوگا کیونکہ امت کا لفظ حدیث (میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی) میں کل امت کو شامل ہے، پس ہوسکتا ہے کہ صواب (حق) مخالف کی جانب ہو (اور باقی سب غلطی پر ہوں۔)''[1]

دعوائے اجماع کی حقیقت کی مزید تفصیل آگے چند صفحات کے بعد آ رہی ہے۔

ایک طلاق پر اجماع قدیم

اس صراحت کے بعد ہر انصاف پسند آج کل کے بعض احناف کے دعوائے اجماع کی حقیقت کا اندازہ لگا سکتا ہے جو وہ مسئلہ تطلیقاتِ ثلاثہ میں کرتے ہیں۔ اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں جو نقطۂ نظر اہل حدیث کا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادی و تدبیری اقدام سے پہلے اس پر پوری امت کا اجماع تھا، یعنی عہد رسالت وعہد صدیقی اور عہد عمر کے ابتدائی دو تین سالوں تک پوری امت بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرتی تھی۔ اس وقت اس مسئلے میں کسی کا اختلاف ثابت و منقول نہیں، اسی لیے حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] نور الأنوار، ص: 221 بحث إجماع.

«وَكُلُّ صَحَابِيٍّ مِّنْ لَّدُنْ خِلَافَةِ الصِّدِّيقِ إِلٰى ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ كَانَ عَلٰى أَنَّ الثَّلَاثَ وَاحِدَةٌ فَتْوٰى أَوْ إِقْرَارًا أَوْ سُكُوتًا، وَّلِهٰذَا ادَّعٰى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ هٰذَا إِجْمَاعٌ قَدِيمٌ، وَّلَمْ تَجْمَعِ الْأُمَّةُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى خِلَافِهِ، بَلْ لَّمْ يَزَلْ فِيهِمْ مَّنْ يُّفْتِي بِهِ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ وَّإِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا»①

اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

«وَالْمَقْصُودُ أَنَّ هٰذَا الْقَوْلَ قَدْ دَلَّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْقِيَاسُ وَالْإِجْمَاعُ الْقَدِيمُ، وَلَمْ يَأْتِ بَعْدَهُ إِجْمَاعٌ يُّبْطِلُهُ»②

اور إغاثة اللهفان میں اس مسئلے پر بحث کے دوران میں لکھتے ہیں:

«فَيَكْفِي كَوْنُ ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ الصِّدِّيقِ، وَمَعَهُ جَمِيعُ الصَّحَابَةِ، لَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيهِ مِنْهُمْ أَحَدٌ، وَّلَا حُكِيَ فِي زَمَانِهِ الْقَوْلَانِ، حَتّٰى قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّ ذٰلِكَ إِجْمَاعٌ قَدِيمٌ وَّإِنَّمَا حَدَثَ الْخِلَافُ فِي زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَاسْتَمَرَّ الْخِلَافُ فِي الْمَسْئَلَةِ إِلٰى وَقْتِنَا هٰذَا، كَمَا سَنَذْكُرُهُ»③

خلاصہ ان عبارتوں کا یہی ہے کہ ''تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک عہد عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی سالوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ اس میں گویا بعض اہل علم کے قول کے مطابق اجماع تھا، ایک صحابی کا بھی اختلاف اس میں ثابت نہیں اور اب تک اس مسلک کے حاملین

---

① إعلام الموقعين: 34/3.

② إعلام الموقعين: 35/3.

③ إغاثة اللهفان: 417/1.

آ رہے ہیں۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تدبیری اقدام کے بعد اس میں اختلاف پیدا ہوا اور پھر یہ اختلاف اب تک چلا آ رہا ہے۔''

اور جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد اس پر اجماع ہو گیا، ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«وَحِينَئِذٍ فَتَكُونُ الْمَسْئَلَةُ مَسْئَلَةَ نِزَاعٍ يَجِبُ رَدُّهَا إِلَى اللهِ تَعَالٰى وَرَسُولِهِ، وَمَنْ أَبٰى ذٰلِكَ فَهُوَ إِمَّا جَاهِلٌ مُّقَلِّدٌ، وَّإِمَّا مُتَعَصِّبٌ صَاحِبُ هَوًى، عَاصٍ للهِ تَعَالٰى وَرَسُولِهِ ﷺ، مُتَعَرِّضٌ لِّلُحُوقِ الْوَعِيدِ بِهِ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُولُ: ﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝﴾ فَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ الْمَسْئَلَةَ مَسْئَلَةُ نِزَاعٍ وَّجَبَ قَطْعًا رَّدُّهَا إِلٰى كِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ وَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ مَسْئَلَةُ نِزَاعٍ، بِلَا نِزَاعٍ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهُ، وَالنِّزَاعُ فِيهَا مِنْ عَهْدِ الصَّحَابَةِ إِلٰى وَقْتِنَا هٰذَا»

''اس وقت یہ اختلافی مسئلہ ہوگا جس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ اور جو اس کا انکار کرے گا وہ یا تو جاہل مقلد ہوگا یا خواہشات کی پیروی کرنے والا تعصب کا شکار اور اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان اور جس چیز کی وعید آئی ہے اس کے درپے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو......'' تو جب ثابت ہو گیا کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے تو حتمی طور پر اسے اللہ اور سنت رسول کی طرف لوٹانا واجب ہے اور یہ اختلافی مسئلہ ہے جس میں اہل علم کا اختلاف نہیں (وہ اس کو

اللہ اور رسول کی طرف لوٹا کر اختلاف کو ختم کر دیتے ہیں) اور اس میں صحابۂ کرام کے دور سے لے کر اب تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔''[1]

[1] إغاثة اللهفان: 453/1.

دعوائے اجماع کی حقیقت

دعویٰ: 2

کسی صحابی و تابعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے سے اختلاف کیا ہو۔ احناف کا دعویٰ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا، کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔

صحابہ و تابعین کے فتوے

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ کسی صحابی و تابعی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخالف فتوے کا انھیں علم نہیں۔ گویا ان کے نزدیک اس پر اجماع ہے۔

یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین (رحمہم اللہ) کے متعدد ایسے فتاوے موجود ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں ایک ہی طلاق کے حکم میں ہوتی ہیں۔ یہ فتاوی کتب تفسیر، شروح حدیث اور کتب فقہ میں موجود ہیں۔ ایسے چند حوالے پیش خدمت ہیں جن سے ایسے متعدد صحابہ و تابعین کے فتووں کا پتہ چلتا ہے جن کے متعلق بالکل لاعلمی ظاہر کی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

انھوں نے متعدد مقامات پر اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں امام موصوف کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے، لکھتے ہیں:

«(وَكَذٰلِكَ) إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ أَوْ كَلِمَاتٍ فِي طُهْرٍ وَّاحِدٍ

فَهُوَ مُحَرَّمٌ عِنْدَ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ، وَتَنَازَعُوا فِيمَا يَقَعُ بِهَا، فَقِيلَ: يَقَعُ بِهَا الثَّلَاثُ، وَقِيلَ: لَا يَقَعُ بِهَا إِلَّا طَلْقَةٌ وَّاحِدَةٌ، وَهٰذَا هُوَ الْأَظْهَرُ الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ، كَمَا قَدْ بُسِطَ فِي مَوْضِعِهِ»

''اگر کوئی شخص ایک طُہر میں ایک کلمہ کے ساتھ یا تین کلموں کے ساتھ تین طلاقیں دے تو جمہور علماء کے نزدیک یہ فعل (بیک وقت تین طلاقیں دینا) حرام ہے، تاہم ان کے واقع ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہ بات زیادہ صحیح ہے جس پر قرآن وسنت دلالت کرتے ہیں جیسا کہ اپنی جگہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔''[1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ

انھوں نے بھی اس موضوع پر خاصی تفصیل سے بحث کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''صحابہ میں سے حضرت ابن عباس، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف اور ایک روایت کی رُو سے حضرت علی وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی، تابعین میں سے حضرت عکرمہ اور امام طاؤس اور تبع تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ میں سے محمد بن اسحاق، خلاس بن عمرو، حارث العکلی، داود بن علی اور ان کے اکثر اصحاب، بعض اصحابِ مالک، بعض حنفیہ میں محمد بن مقاتل وغیرہ اور بعض اصحابِ احمد اس بات کے قائل رہے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوں گی۔''[2]

علامہ ابوحیان اندلسی

موصوف ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کی تفسیر میں پہلے ان لوگوں کی تائید کرتے ہیں جو اس

---

[1] فتاوٰی ابن تیمیة: 72/33.

[2] إعلام الموقعين :44/3، نیز دیکھیے: إغاثة اللهفان:341,339/1 وفتاوٰی ابن تیمیة:83/33.

مختلف اوقات میں طلاق دیے جانے پر استدلال کرتے ہیں:

هٰكَذَا بَحَثُوهُ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ وَهُوَ بَحْثٌ صَحِيحٌ پھر لکھتے ہیں:

«وَمَازَالَ يَخْتَلِجُ فِي خَاطِرِي أَنَّهُ لَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ مَرَّتَينِ أَوْ ثَلَاثًا أَنَّهُ لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةً، لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ لِّلطَّلَاقِ وَيَقْتَضِي الْعَدَدَ فَلَابُدَّ أَنْ يَّكُونَ الْفِعْلُ الَّذِي هُوَ عَامِلٌ فِيهِ يَتَكَرَّرُ وُجُودًا كَمَا تَقُولُ: ضَرَبْتُ ضَرْبَتَينِ أَوْ ثَلَاثَ ضَرْبَاتٍ»[1]

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ سے میرے دل میں ہمیشہ یہی بات آئی ہے کہ طلاق دینے والا مرد ایک مجلس اور ایک وقت میں اگر دو یا تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی طلاق واقع ہو۔

امام نظام الدین قمی نیشا پوری لکھتے ہیں:

«ثُمَّ مِنْ هٰؤُلَاءِ مَنْ قَالَ: لَوْ طَلَّقَهَا ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا لَّا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةً وَّهُوَ أَقْيَسُ»

''پھر ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر دو یا تین مرتبہ کوئی طلاق دے گا تو وہ ایک ہی طلاق ہوگی، اور یہی بات زیادہ قرینِ قیاس ہے۔''[2]

یعنی یہ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کے معنی کے زیادہ مناسب ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

آپ فتح الباری میں صحیح بخاری کے بَابُ مَنْ جَوَّزَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ کے تحت لکھتے ہیں:

[1] تفسیر البحر المحیط: 192/1 وتفسیر النهر الماد بر حاشیه تفسیر مذکور، ص:191.

[2] تفسیر غرائب القرآن: 266/2.

«وَفِي التَّرْجَمَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ مِنَ السَّلَفِ مَنْ لَّمْ يُجِزْ وُقُوعَ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ»

''ترجمۃ الباب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سلف میں ایسے لوگ رہے ہیں جو تین طلاق کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔''

پھر وہ اسی طلاق واحد بلفظ ثلاث کی حمایت کرتے ہوئے دعوائے اجماع کی حقیقت یوں بے نقاب کرتے ہیں:

«نُقِلَ عَنْ عَلِيٍّ وَّابْنِ مَسْعُودٍ وَّعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرِ مِثْلُهُ، نَقَلَ ذٰلِكَ ابْنُ مُغِيثٍ فِي "كِتَابِ الْوَثَائِقِ" لَهُ وَعَزَاهُ لِمُحَمَّدِ بْنِ وَضَّاحٍ، وَّنَقَلَ الْغَنَوِيُّ ذٰلِكَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنْ مَّشَايِخِ قُرْطُبَةَ كَمُحَمَّدِ بْنِ تَقِيِّ بْنِ مَخْلَدٍ وَّمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالسَّلَامِ الْخُشَنِيِّ وَغَيْرِهِمَا، وَنَقَلَهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَعَطَاءٍ وَطَاؤُسٍ وَّعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَّيُتَعَجَّبُ مِنِ ابْنِ التِّينِ حَيْثُ جَزَمَ بِأَنَّ لُزُومَ الثَّلَاثِ لَا اخْتِلَافَ فِيهِ، وَإِنَّمَا الْاِخْتِلَافُ فِي التَّحْرِيمِ مَعَ ثُبُوتِ الْاِخْتِلَافِ كَمَا تَرٰى»

''حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی طلاق واحد بلفظ ثلاث کے قائل ہیں، اسی طرح مشایخ قرطبہ کی ایک جماعت جیسے احمد بن بقی بن مخلد اور محمد بن عبدالسلام الخشنی وغیرہ، نیز اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہما، مثلاً عطاء، طاؤس، عمرو بن دینار بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابن التین رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ انھوں نے کس یقین کے ساتھ یہ دعوٰی کیا ہے کہ تین طلاق کے لزوم میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف تحریم میں ہے۔ باوجود اس بات کے کہ اختلاف ثابت ہے جیسا

کہ تم دیکھ رہے ہو۔''[1]

اس سے قبل حافظ صاحب نے محمد بن اسحاق صاحبِ مغازی کا بھی یہی مسلک بتایا ہے۔

امام عینی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«وَفِيهِ خِلَافٌ، فَذَهَبَ طَاؤُسٌ وَّمُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَالْحَجَّاجُ ابْنُ أَرْطَاةَ وَالنَّخَعِيُّ وَابْنُ مُقَاتِلٍ وَّالظَّاهِرِيَّةُ إِلٰى أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا مَّعًا فَقَدْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةً»

''اس مسئلے میں اختلاف ہے، امام طاؤس، محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ، نخعی، ابن مقاتل اور ظاہریہ اس طرف گئے ہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہوگی۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«قَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَّأَبُوحَنِيفَةَ وَأَحْمَدُ وَجَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ: يَقَعُ الثَّلَاثُ، وَقَالَ طَاؤُسٌ وَّبَعْضُ أَهْلِ الظَّاهِرِ: لَا يَقَعُ بِذٰلِكَ إِلَّا وَاحِدَةً، وَّهُوَ رِوَايَةٌ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ، وَمُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، وَالْمَشْهُورُ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ أَنَّهُ لَا يَقَعُ بِهِ شَيْءٌ، وَّهُوَ قَوْلُ ابْنِ مُقَاتِلٍ، وَّرِوَايَةٌ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ»

---

(1) فتح الباري، الطلاق، باب من جوّز الطلاق الثلاث: 363/9.

(2) عمدة القاري، الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث: 236/14.

''اس میں اختلاف ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دینے کا کیا حکم ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور جمہور علمائے سلف وخلف رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس طرح تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور امام طاؤس (تابعی) اور بعض اہل ظاہر اس کے قائل ہیں کہ اس طرح ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ یہی حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق سے مروی ہے اگرچہ حجاج بن ارطاۃ کا مشہور قول یہ کہ اس طرح کچھ بھی واقع نہیں ہوتا اور یہی قول ابن مقاتل کا ہے اور ایک روایت محمد بن اسحاق سے بھی یہی ہے۔''[1]

علمائے امت کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ ان کا مزعومہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ ان میں ابتدا ہی سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اس سلسلے کی مزید صراحتیں ملاحظہ ہوں جس سے دعوائے اجماع کی حقیقت مزید بے نقاب ہو جاتی ہے۔

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ

احناف کے جلیل القدر عالم اسی بیک وقت طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«فَذَهَبَ قَوْمٌ إِلٰى أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا مَّعًا، فَقَدْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةً إِذَا كَانَتْ فِي وَقْتِ سُنَّةٍ وَّذٰلِكَ أَنْ تَكُونَ طَاهِرًا فِي غَيْرِ جِمَاعٍ وَّاحْتَجُّوا فِي ذٰلِكَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ»

''ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی جبکہ وقت سنت میں، یعنی اس وقت دی گئی ہو کہ وہ پاک ہو

[1] صحيح مسلم مع شرح نووي، باب طلاق الثلاث:10/104.

اوراس سے ہم بستری نہ کی گئی ہواور دلیل ان کی یہی حدیث ہے۔'' (صحیح مسلم کی وہ حدیث جس کا پہلے ذکر ہوا ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ عہد رسالت وعہد صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔)[1]

مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں:

«وَالْقَوْلُ الثَّانِي: أَنَّه إِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا تَقَعُ وَاحِدَةً رَّجْعِيَّةً، وَّهٰذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ، وَبِهٖ قَالَ دَاودُ الظَّاهِرِيُّ وَأَتْبَاعُهُ، وَهُوَ أَحَدُ الْقَولَيْنِ لِمَالِكٍ، وَّلِبَعْضِ أَصْحَابِ أَحْمَدَ»

''اس مسئلے میں اختلاف ہے (پہلے شیعی مسلک نقل کر کے لکھتے ہیں) اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک رجعی طلاق ہوگی۔ اور یہی بعض صحابہ سے منقول ہے اور اسی کے قائل داود ظاہری اور ان کے متبعین ہیں اور ایک قول کے مطابق یہی مذہب امام مالک اور امام احمد کے بعض اصحاب کا ہے۔''[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ

انھوں نے بھی اس مسئلے کو اختلافی قرار دیا ہے اور درج ذیل صحابہ وتابعین اور دیگر ائمہ کو اس مسلک کا حامل بتلایا ہے:

''حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم، طاؤس، بعض اہل ظاہر، محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ رحمہم اللہ اور شیوخ قرطبہ میں سے ابن زنباع شیخ ہدی، احمد بن بقی بن مخلد، محمد بن عبدالسلام، اصبغ بن حباب رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ

[1] شرح معاني الآثار، باب الرجل يطلق امرأته ثلاثا معًا:3/55.
[2] عمدة الرعاية:2/71 مطبع انوار محمدی لکھنؤ۔

ایک جماعت۔"[1]

امام رازی رحمہ اللہ

تفسیر کبیر میں ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

«ثُمَّ الْقَائِلُونَ بِهٰذَا الْقَوْلِ اخْتَلَفُوا عَلٰى قَوْلَيْنِ: اَلأَوَّلُ: وَهُوَ اخْتِيَارُ كَثِيرٍ مِّنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ، أَنَّهُ لَوْ طَلَّقَهَا اثْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا لَّا يَقَعُ إِلَّا الْوَاحِدَةَ، وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الْأَقْيَسُ، لِأَنَّ النَّهْيَ يَدُلُّ عَلَى اشْتِمَالِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ عَلٰى مَفْسَدَةٍ رَّاجِحَةٍ، وَّالْقَوْلُ بِالْوُقُوعِ سَعْيٌ فِي إِدْخَالِ تِلْكَ الْمَفْسَدَةِ فِي الْوُجُودِ وَإِنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ، فَوَجَبَ أَنْ يُّحْكَمَ بِعَدَمِ الْوُقُوعِ»

"بہت سے علمائے دین کا مسلک ہے کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینے کی صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدے اور خرابی پر مشتمل ہے اور یہ مسلک وقوع (بیک وقت تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر لینا) اس مفسدے اور خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ بات جائز نہیں، لہٰذا عدم وقوع (بیک وقت تین طلاقوں کے تین نہ ہونے) کا حکم لگانا ضروری ہے۔"[2]

قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی رحمہ اللہ

انھوں نے تقریباً یہی بات اپنی مشہور و معروف تفسیر کے اندر اس آیت کی تفسیر میں لکھی ہے:

[1] دیکھیے تفسیر القرطبي، زیر آیت ﴿الطلاق مرتان﴾:3/132,129 طبع مصر۔

[2] التفسیر الکبیر:6/96.

«فَكَانَ الْقِيَاسُ أَنْ لَّا يَكُونَ الطَّلْقَتَيْنِ الْمُجْتَمِعَتَيْنِ مُعْتَبَرَةً شَرْعًا وَإِذَا لَمْ يَكُنِ الطَّلْقَتَيْنِ مُعْتَبَرَةً لَّمْ يَكُنِ الثَّلَاثُ مُجْتَمِعَةً مُّعْتَبَرَةً بِالطَّرِيقِ الْأَوْلٰى»

''پس قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دو مجموعی طلاقیں شرعاً معتبر نہ ہوں اور جب دو مجموعی (اکٹھی) طلاقیں معتبر نہ ہوں گی تو بیک وقت تین طلاقیں بطریق اولیٰ معتبر نہ ہوں گی۔''

اگرچہ آگے چل کر انھوں نے مذہب حنفی کی حمایت میں وقوع طلاق ثلاثہ پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی اس مسئلے کا اختلافی ہونا تسلیم کر آئے ہیں اور بعض حنابلہ کی مخالفت کا ذکر کیا ہے، پھر معلوم نہیں کہ مسئلہ اجماعی کیوں کر ہو گیا؟

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ

صاحب روح المعانی بھی اس مسئلے کو اختلافی تسلیم کرتے ہیں:

«وَخَالَفَ فِي ذٰلِكَ الْإِمَامِيَّةُ وَبَعْضٌ مِّنْ أَهْلِ السُّنَّةِ كَالشَّيْخِ أَحْمَدَ بْنِ تَيْمِيَّةَ وَمَنِ اتَّبَعَهُ، قَالُوا: لَوْ طَلَّقَ ثَلَاثًا بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ لَّا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةً احْتِجَاجًا بِهٰذِهِ الْآيَةِ»

''اس بارے میں مشہور قول کی مخالفت امامیہ نے کی ہے اور اہل سنت کے بعض افراد بھی اس طرف گئے ہیں۔ جیسے امام ابن تیمیہ اور ان کے پیروکار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔ ان کا استدلال اسی آیت ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ سے ہے۔''[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] تفسیر روح المعاني: 206/2.

«وَاعْلَمْ أَنَّـهُ قَدْ وَقَعَ الْخِلَافُ فِي الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ إِذَا أُوْقِعَتْ فِي وَقْتٍ وَّاحِدٍ، هَلْ يَقَعُ جَمِيعُهَا وَيَتْبَعُ الطَّلَاقُ الطَّلَاقَ أَمْ لَا»

''جب بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ تینوں کی تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور طلاق کے پیچھے طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟''[1]

پھر جمہور علماء کا مسلک (کہ ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اور اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ طلاق کے پیچھے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ ایسی صورت میں ایک ہی طلاق پڑے گی۔ حضرت ابو موسیٰ اور ایک روایت کی رُو سے حضرت علی، ابن عباس، طاؤس، عطاء، جابر بن زید، ہادی، قاسم، باقر، ناصر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت کے مطابق زید بن علی کا یہی مسلک ہے۔ اور متاخرین کی ایک جماعت بھی اس طرف گئی ہے جس میں ابن تیمیہ، ابن القیم اور محققین کا ایک گروہ شامل ہے اور ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں محمد بن وضاح کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے، نیز اسی مسلک پر مبنی مشائخ قرطبہ (جیسے احمد بن بقی اور محمد بن عبدالسلام) کا بھی ایک فتویٰ منقول ہے، علاوہ ازیں اسی کتاب میں انھوں نے حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک بیان کیا ہے۔''

پھر آگے چل کر طلاق ثلاث بہ لفظ واحد کے مسلک پر لوگوں کی توجیہات کا رد کرتے ہوئے (کہ شاید ایک طلاق والا حکم منسوخ ہو گیا ہو) لکھتے ہیں:

«وَيُجَابُ بِأَنَّ النَّسْخَ إِنْ كَانَ بِدَلِيلٍ مِّنْ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ فَمَا هُوَ؟

---

[1] نيل الأوطار: 260/6.

وَإِنْ كَانَ بِالْإِجْمَاعِ فَأَيْنَ هُوَ؟ عَلٰى أَنَّهُ يَبْعُدُ أَنْ يَّسْتَمِرَّ النَّاسُ أَيَّامَ أَبِي بَكْرٍ وَّبَعْضَ أَيَّامِ عُمَرَ عَلٰى أَمْرٍ مَّنْسُوخٍ وَّإِنْ كَانَ النَّاسِخُ قَوْلَ عُمَرَ الْمَذْكُورَ فَحَاشَاهُ أَنْ يَّنْسَخَ سُنَّةً ثَابِتَةً بِمَحْضِ رَأْيِهِ، وَحَاشَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يُّجِيبُوهُ إِلٰى ذٰلِكَ وَمِنَ الْأَجْوِبَةِ، دَعْوَى الْاِضْطِرَابِ كَمَا زَعَمَهُ الْقُرْطُبِيُّ فِي الْمُفْهِمِ، وَهُوَ زَعْمٌ فَاسِدٌ لَّا وَجْهَ لَهُ، وَمِنْهَا مَا قَالَهُ ابْنُ الْعَرَبِيِّ: إِنَّ هٰذَا حَدِيثٌ مُّخْتَلَفٌ فِي صِحَّتِهِ فَكَيْفَ يُقَدَّمُ عَلَى الْإِجْمَاعِ؟ وَيُقَالُ: أَيْنَ الْإِجْمَاعُ الَّذِي جَعَلْتَهُ مُعَارِضًا لِّلسُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْقَائِلِينَ بِالتَّتَابُعِ قَدِ اسْتَكْثَرُوا مِنَ الْأَجْوِبَةِ عَلٰى حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّكُلُّهَا غَيْرُ خَارِجَةٍ عَنْ دَائِرَةِ التَّعَسُّفِ، وَالْحَقُّ أَحَقُّ بِالْاِتِّبَاعِ، فَإِنْ كَانَتْ تِلْكَ الْمُحَامَاةُ لِأَجْلِ مَذَاهِبِ الْأَسْلَافِ فَهِيَ أَحْقَرُ وَأَقَلُّ مِنْ أَنْ تُؤْثَرَ عَلَى السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ وَإِنْ كَانَتْ لِأَجْلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَيْنَ يَقَعُ الْمِسْكِينُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، ثُمَّ أَيُّ مُسْلِمٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَسْتَحْسِنُ عَقْلُهُ وَعِلْمُهُ تَرْجِيحَ قَوْلِ صَحَابِيٍّ عَلٰى قَوْلِ الْمُصْطَفٰى ﷺ»

"نسخ کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر پہلا حکم (ایک طلاق والا) کتاب وسنت کی کسی دلیل سے منسوخ ہوا ہے تو وہ دلیل کہاں ہے؟ اور اگر کہا جائے کہ اجماع سے وہ حکم منسوخ ہو گیا ہے تو اجماع ثابت کب ہے؟ علاوہ ازیں یہ بات بھی بڑی بعید ہے کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت میں

ایک منسوخ حکم پر مسلسل عمل کرتے رہے ہوں۔ اور اگر دعویٰ کیا جائے کہ ناسخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مذکور (تین طلاق والا تدبیری اقدام) ہے تو یہ بھی ناقابل یقین ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ محض اپنی رائے سے ایک سنت ثابتہ کو منسوخ کر دیں۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی اس تصور سے ہم پناہ مانگتے ہیں کہ وہ اس معاملے (اپنی رائے سے سنت کو منسوخ کرنے) میں حضرت عمر کا ساتھ دیتے۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق دعوائے اضطراب بھی زعم فاسد ہے جس کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ حدیث ابن عباس کی صحت مختلف فیہ ہے، اس لیے اسے اجماع پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، غلط ہے، آخر وہ اجماع ہے کہاں جو ایک سنت صحیحہ کے معارض (مخالف) ہے؟ بہر حال پے در پے (بیک وقت تین) طلاقوں کے قائلین نے حدیث ابن عباس کے بہت سے جواب دیے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی تکلف و تعسّف سے خالی نہیں۔ پیروی کے لائق حق بات ہی ہے۔ علاوہ ازیں یہ رد و قدح اگر اپنے اسلاف کے نقطہ ہائے نظر کی حمایت کے لیے ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اس لائق نہیں کہ انھیں سنتِ مطہرہ کے مقابلے میں ترجیح دی جائے اور اگر یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ہے تب بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے، پھر کون سا مسلمان ایسا ہے کہ اس کی عقل اور اس کا علم قول صحابی کو قول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دینے کو پسند کرے؟''[1]

ابن رشد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«جُمْهُورُ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ عَلٰی أَنَّ الطَّلَاقَ بِلَفْظِ الثَّلَاثِ حُكْمُهُ

---

[1] نیل الأوطار: 6/262,263.

حُكْمُ الطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ، وَقَالَ أَهْلُ الظَّاهِرِ وَجَمَاعَةٌ: حُكْمُهُ حُكْمُ الْوَاحِدَةِ وَلَا تَأْثِيرَ لِلَفْظِ فِي ذٰلِكَ»

''جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ تین کے لفظ سے جو طلاق دی جائے گی، اس کا حکم تیسری طلاق (یعنی مغلظہ) کا ہے اور اہل ظاہر اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ ایسی طلاق (یعنی بہ لفظ ثلاث) کا حکم ایک طلاق کا حکم ہے اور اس میں لفظ کی کوئی تاثیر نہیں۔''[1]

اس کے بعد دونوں مسالک کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور پھر آخر میں لکھتے ہیں:

«كَأَنَّ الْجُمْهُورَ غَلَبُوا حُكْمَ التَّغْلِيظِ فِي الطَّلَاقِ سَدًّا لِلذَّرِيعَةِ وَلٰـكِنْ تَبْطُلُ بِذٰلِكَ الرُّخْصَةُ الشَّرْعِيَّةُ، وَالرِّفْقُ الْمَقْصُودُ»

''گویا جمہور نے سدِّ ذریعہ کے طور پر طلاق میں تغلیظ کا حکم لگایا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے وہ شرعی رخصت اور سہولت باطل ہو جاتی ہے جو مقصود ہے۔''

یعنی بیک وقت تین طلاقوں کو تین شمار کر لینے سے وہ رخصت و سہولت ختم ہو جاتی ہے جو متعدد مواقع پر طلاق دینے میں ہے۔ اس طرح ان کا اپنا رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنا چاہیے تا کہ لوگ شرعی رخصت و سہولت سے محروم نہ ہوں۔

ضروری وضاحت: علمائے احناف کے مذکورہ چار دعووں میں سے یہ دوسرا دعویٰ۔ دعوائے اجماع۔ ہے جس پر گفتگو چل رہی ہے۔ آگے بھی اسی کی تفصیل ہے۔

باقی تیسرا دعویٰ کہ ائمۂ اربعہ کا مذہب اجماع امت کے مترادف ہے۔ اور چوتھا دعویٰ کہ اہل حدیث اس مسئلۂ طلاقِ ثلاثہ میں اجماع امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقش قدم پر ہیں۔ اس تیسرے اور چوتھے دعوے پر گفتگو کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ ابھی گفتگو دوسرے دعوے کی حقیقت کے بارے میں چل رہی ہے۔

---

[1] بدایۃ المجتہد، الطلاق: 104/2.

یہ تو حوالے تھے علمائے متقدمین ومتاخرین کے جن میں ہر مکتبۂ فکر کے علماء شامل ہیں۔ چند حوالوں سے یہ بات واضح ہے کہ عہد صحابہ ہی سے یہ مسئلہ مختلف فیہ چلا آ رہا ہے اور اس کی بابت اجماع کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ ''ہمیں کسی صحابی یا تابعی کا علم نہیں جس نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہو'' یکسر غلط ہے صحابہ وتابعین میں بھی بیک وقت دی گئیں طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کرنے والے موجود تھے اور بعد کے ائمہ و مجتہدین میں بھی ایک جماعت اس کی قائل چلی آرہی ہے، بالخصوص اہل حدیث جو ہر دور میں حق کا چراغ جلاتے آئے ہیں، اسی کے قائل چلے آرہے ہیں۔

یہ بات مزید دلچسپی کا باعث ہے کہ موجودہ دور کے علماء نے بھی اس مسئلے کو نہ صرف اپنے غور وفکر کا موضوع بنایا ہے بلکہ اہل حدیث کے نقطۂ نظر کی پُر زور حمایت و وکالت کی ہے۔ ان علماء میں برصغیر پاک و ہند کے علماء بھی ہیں اور مصر وشام کے علماء بھی، نیز وہ ہر مکتبۂ فکر کی نمائندگی کرنے والے ہیں حتی کہ ان میں دیوبندی حنفی بھی ہیں اور بریلوی حنفی بھی۔ لیجیے! اب اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرما لیجیے جو درحقیقت اس مسئلے پر اجماع کا دعویٰ کرنے والوں کے لیے شاید ایک ''انکشاف'' سے کم نہ ہو۔

عصرِ حاضر کے علمائے عرب

مصر کے نامور عالم عبدالرحمٰن الجزیری اپنی مشہور کتاب الفقه على المذاهب الأربعة میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ان صحابہ وتابعین کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں جو ایک طلاق کے قائل ہیں، پھر صحیح مسلم کی وہ حدیث نقل کر کے جو ان کے مسلک کی مضبوط بنیاد ہے، لکھتے ہیں:

«وَهٰذَا الْحَدِيثُ صَرِيحٌ فِي أَنَّ الْمَسْئَلَةَ لَيْسَتْ إِجْمَاعِيَّةً»

''یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقدام کی توجیہ کرتے ہوئے دعوائے اجماع کی یوں نفی کرتے ہیں:

«وَلٰكِنَّ الْوَاقِعَ أَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ إِجْمَاعٌ، فَقَدْ خَالَفَهُمْ كَثِيرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، وَمِمَّا لَا شَكَّ فِيهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ مِّنَ الْمُجْتَهِدِينَ الَّذِينَ عَلَيْهِم الْمُعَوَّلُ فِي الدِّينِ، فَتَقْلِيدُهُ جَائِزٌ، كَمَا ذَكَرْنَا، وَلَا يَجِبُ تَقْلِيدُ عُمَرَ فِيمَا رَاٰهُ، لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ وَّمُوَافَقَةُ الْأَكْثَرِينَ لَهُ لَا تُحَتِّمُ تَقْلِيدَهُ، عَلٰى أَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ قَدْ فَعَلَ ذٰلِكَ

لِتَحْذِيرِ النَّاسِ مِنْ إِيقَاعِ الطَّلَاقِ عَلٰى وَجْهٍ مُّغَايِرٍ لِّلسُّنَّةِ فَإِنَّ السُّنَّةَ أَنْ تُطَلَّقَ الْمَرْأَةُ فِي أَوْقَاتٍ مُّخْتَلِفَةٍ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي تَقَدَّمَ بَيَانُهُ، فَمَنْ يَّجْرَأُ عَلٰى تَطْلِيقِهَا دَفْعَةً وَّاحِدَةً فَقَدْ خَالَفَ السُّنَّةَ، وَجَزَاءُ هٰذَا أَنْ يُّعَامَلَ بِقَولِهِ زَجْرًا لَّهُ، وَبِالْجُمْلَةِ: فَإِنَّ الَّذِينَ قَالُوا: أَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ يَّقَعُ بِهِ وَاحِدَةٌ لَّا ثَلَاثٌ، لَهُمْ وَجْهٌ سَدِيدٌ وَّهُوَ أَنَّ ذٰلِكَ هُوَ الْوَاقِعُ فِي عَهْدِ الرَّسُولِ، وَعَهْدِ خَلِيفَةِ الْأَعْظَمِ أَبِي بَكْرٍ، وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، وَاجْتِهَادُ عُمَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ خَالَفَهُ فِيهِ غَيْرُهُ، فَيَصِحُّ تَقْلِيدُ الْمُخَالِفِ، كَمَا يَصِحُّ تَقْلِيدُ عُمَرَ»

"لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس پر اجماع موجود ہی نہیں کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے ان (جمہور) کی مخالفت کی ہے، مثلاً: ابن عباس بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے اور ایسے کہ جن پر دین کے معاملے میں اعتماد کیا جاتا ہے، لہٰذا آپ کی تقلید (آپ کی رائے کو تسلیم کر لینا) بھی درست ہے۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تقلید واجب نہیں کیونکہ وہ بھی مجتہد تھے۔ اور اکثریت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت کر لینا ان کی تقلید کو ضروری نہیں کر دیتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ نے تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو، یہ دیکھ کر کہ لوگ خلافِ سنت طریقے پر طلاق دے رہے ہیں کیونکہ سنت یہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں بیان کردہ طریقے کے مطابق طلاق دی جائے، پس جو شخص یکبارگی (تین) طلاقیں دینے کی جرأت کرتا ہے، وہ سنت کے خلاف کرتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ زجر و توبیخ کا معاملہ کیا جائے۔ مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بہ لفظ واحد ایک ہی واقع ہوتی ہے تین

نہیں،ان کا کہنا اپنے اندر بڑی معقول وجہ رکھتا ہے کیونکہ عہد رسالت، خلیفۂ اعظم ابوبکر کے عہد اور خلافت عمر کے ابتدائی دو برسوں تک بیک وقت دی جانے والی تین طلاقیں ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اجتہاد کیا، اس کی دوسرے کئی لوگوں نے مخالفت کی ہے، لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح صحیح ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کو درست قرار دیا جارہا ہے۔''[1]

علامہ سید رشید رضا مصری رحمہ اللہ

تفسیر ''المنار'' میں ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے پہلے اس مسئلے کے اختلافی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ وَلِذٰلِكَ وَقَعَ فِيهِ الْخِلَافُ مِنَ الصَّدْرِ الْأَوَّلِ إِلَى الْآنَ ''اس مسئلے میں صدر اوّل سے آج تک اختلاف چلا آرہا ہے'' پھر فریقین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد (جس میں ایک طلاق کے قائلین کے دلائل قدرے تفصیل سے نقل کیے ہیں) لکھتے ہیں:

«إِنَّمَا أَطَلْنَا فِي ذِكْرِ الْخِلَافِ فِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ عَلٰى تَحَامِينَا فِي التَّفْسِيرِ ذِكْرَ الْخِلَافِ مَا وَجَدْنَا مَنْدُوحَةً عَنْهُ لِأَنَّ بَعْضَ النَّاسِ يَعْتَقِدُونَ أَنَّ الْمَسْئَلَةَ إِجْمَاعِيَّةٌ فِيمَا جَرٰى عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ وَمَا ثَمَّ مِنْ إِجْمَاعٍ إِلَّا مَا قَالَهُ ابْنُ الْقَيِّمِ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ مُجَادَلَةَ الْمُقَلِّدِينَ أَوْ إِرْجَاعَ الْقُضَاةِ وَالْمُفْتِيِّينَ عَنْ مَذَاهِبِهِمْ فِيهَا فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَطَّلِعُ عَلٰى هٰذِهِ النُّصُوصِ فِي كُتُبِ الْحَدِيثِ وَغَيْرِهَا وَلَا يُبَالِي بِهَا لِأَنَّ الْعَمَلَ عِنْدَهُمْ عَلٰى

[1] الفقه على المذاهب الأربعة:4/342,341.

أَقْوَالِ كُتُبِهِمْ دُونَ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ رَسُولِهِ(حاشيه) أَلَا إِنَّ مَحَاكِمَ مِصْرَ الشَّرْعِيَّةَ قَدْ خَالَفَتْ مَذْهَبَ الْحَنَفِيَّةِ بَعْدَ اسْتِقْلَالِ الْبِلَادِ دُونَ الدَّوْلَةِ الْعُثْمَانِيَّةِ فِي كَثِيرٍ مِّنْ أَحْكَامِ الزَّوْجِيَّةِ وَمِنْهَا هٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ»

''ہم نے اپنی تفسیر میں اختلافی مسائل میں عدم اعتناء کے باوجود اس مسئلے میں تفصیل اس لیے پیش کی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس بارے میں جمہور کے مسلک پر اجماع ہے، حالانکہ (یہ بات صحیح نہیں) اگر اجماع ہے تو وہ ہے جس کی صراحت حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے کی ہے۔ (عہد رسالت و عہد صدیقی اور عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت تک بیک وقت تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے پر اتفاق و اجماع) ہمارا مقصد مقلدین سے بحث و مجادلہ ہے، نہ قاضیوں اور مفتیوں کو ان کے (فقہی) مذاہب سے رجوع کرنے پر مجبور کرنا کیونکہ (ایسا کرنے پر وہ آمادہ ہوں گے ہی نہیں) ان کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ کتب حدیث وغیرہ میں نصوص شرعیہ پر مطلع بھی ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کی قطعاً پروا نہیں کرتے، ان کے نزدیک قابل عمل صرف وہ اقوال ائمہ ہیں جو ان کی (فقہی) کتابوں میں درج ہیں، نہ کہ اللہ کی کتاب اور سنت رسول۔ البتہ مصر کی مذہبی عدالتوں نے دولت عثمانیہ سے علیحدگی کے بعد زوجیت کے بہت سے احکام میں حنفی مذہب کی مخالفت کی ہے، انھی میں سے ایک مسئلہ طلاق ثلاثہ بیک مجلس کا ہے جس میں انھوں نے حنفی مذہب کے خلاف اس کو ایک طلاق شمار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''[1]

شیخ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ

عہد حاضر کے ایک اور جلیل القدر عالم اور مفسر شیخ جمال الدین قاسمی شامی رحمہ اللہ نے نکاح و

---

[1] تفسیر المنار: 2/383-387 طبع ثانی 1350ھ مصر۔

[...]ق کے موضوع پر ایک فاضلانہ کتاب الإستيناس لتصحيح أنكحة الناس لکھی ہے۔اس [...]یٔں انھوں نے طلاق کے مسئلے پر مدلل و مفصل گفتگو کے بعد یہی رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں ایک مجلس میں بیک دفعہ دی جائیں ان سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہو گی۔اور اسی رائے کا اظہار انھوں نے اپنی تفسیر میں آیت ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ....﴾[1] کے تحت کیا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی (شام)

ڈاکٹر صاحب عصر حاضر کے عظیم محقق، فقیہ اور مفسر ہیں۔ان کی کتاب الفقه الإسلامي و أدلته (آٹھ ضخیم جلدوں میں) معروف اور نہایت معرکہ آرا کتاب ہے۔اس میں وہ مسئلہ زیر بحث میں فریقین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي رُجْحَانُ رَأْيِ الْجُمْهُورِ وَهُوَ وُقُوعُ الطَّلَاقِ ثَلَاثًا إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ دَفْعَةً وَّاحِدَةً، لٰكِنَّ إِذَا رَجَّحَ الْحَاكِمُ رَأْيًا ضَعِيفًا صَارَ هُوَ الْحُكْمُ الْأَقْوٰى، فَإِنْ صَدَرَ قَانُونٌ، كَمَا هُوَ الشَّأْنُ فِي بَعْضِ الْبِلَادِ الْعَرَبِيَّةِ يَجْعَلُ هٰذَا الطَّلَاقَ وَاحِدَةً، فَلَا مَانِعَ مِنِ اعْتِمَادِهِ وَالْإِفْتَاءِ بِهِ تَيْسِيرًا عَلٰى النَّاسِ وَصَوْنًا لِّلرَّابِطَةِ الزَّوْجِيَّةِ وَحِمَايَةً لِّمَصْلَحَةِ الْأَوْلَادِ، خُصُوصًا وَّنَحْنُ فِي وَقْتٍ قَلَّ فِيهِ الْوَرَعُ وَالْاِحْتِيَاطُ، وَتَهَاوَنَ النَّاسُ فِي التَّلَفُّظِ بِهٰذِهِ الصِّيغَةِ مِنَ الطَّلَاقِ، وَهُمْ يَقْصُدُونَ غَالِبًا التَّهْدِيدَ وَالزَّجْرَ، وَيَعْلَمُونَ أَنَّ فِي الْفِقْهِ مَنْفَذًا لِّلْحَلِّ وَمُرَاجَعَةِ الزَّوْجَةِ»

---

[1] تفسير القاسمي، تفسير سورة البقرة 229:2.

''میرے لیے جمہور کی یہ رائے ہی راجح ہے کہ جب آدمی ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دیتا ہے تو وہ تینوں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب حاکم وقت کسی ضعیف رائے کو ترجیح دے دیتا ہے تو وہی زیادہ قوی حکم ہو جاتا ہے، پس اگر کوئی قانون صادر ہو جائے جیسا کہ بعض عرب ملکوں میں مذکورہ تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کا قانون بن گیا ہے تو اسے ماننے میں اور اسی کے مطابق فتویٰ دینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں لوگوں کی سہولت ہے، میاں بیوی کے درمیان رابطے کا تحفظ ہے اور اولاد کی مصلحت کی حمایت ہے، بالخصوص آج کل کے حالات میں جبکہ خوفِ الٰہی اور احتیاط کا فقدان ہے اور لوگ مذکورہ صیغے اور طریقے سے طلاق دینے میں بڑے دلیر ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصود (طلاق دینا نہیں بلکہ) اکثر تنبیہ وتوبیخ (ڈرانا) ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ذہن میں یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ میں اس کا ان کے لیے کوئی حل بھی ہوگا اور بیوی سے رجوع کی کوئی صورت نکل آئے گی۔''[1]

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی تفسیر میں بھی اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے، چنانچہ اس میں بھی وہ دونوں مسلکوں کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«وَبِالرَّغْمِ مِمَّا أَرَاهُ وَهُوَ رُجْحَانُ مَذْهَبِ الْجُمْهُورِ، لَا أَجِدُ مَانِعًا مِّنَ الْأَخْذِ بِرَأْيِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ وَمَنْ وَّافَقَهُ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ هَدْمُ الْأُسْرَةِ وَتَعْرِيضٌ لِّضِيَاعِ الْأَوْلَادِ وَهُوَ كَمَا قَالَ ﷺ: فِيمَا رَوَاهُ أَبُودَاودَ وَابْنُ مَاجه وَالْحَاكِمُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ "أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ" وَالشَّرِيعَةُ أَجَازَتْهُ لِدَفْعِ ضَرَرٍ أَشَدَّ، وَتَحْصِيلِ مَصْلَحَةٍ أَكْثَرَ، وَلَا يُلْجَأُ إِلَيْهِ إِلَّا لِلضَّرُورَةِ

---

[1] الفقه الإسلامي وأدلته:7/413.

الْقُصْوٰى، وَاللهُ شَرَعَ الطَّلَاقَ مَرَّتَيْنِ مُتَفَرِّقَتَيْنِ فِي طُهْرَيْنِ كَمَا أَرْشَدَتْ إِلَيْهِ السُّنَّةُ، لَا مُجْتَمِعَتَيْنِ، فَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ وَأَمْضَى الطَّلَاقَ - وَفِي هٰذَا تَيْسِيرٌ عَلَى النَّاسِ، وَبِخَاصَّةٍ أَنَّهُمْ يَقْصُدُونَ غَالِبًا بِالطَّلَاقِ التَّهْدِيدَ وَالزَّجْرَ، لَا الْحَقِيقَةَ وَالْوُقُوعَ الْفِعْلِيَّ، ثُمَّ إِنَّ الْفُرْقَةَ تَحْدُثُ بِطَلْقَةٍ وَّاحِدَةٍ، فَيَكُونُ مَا يَتْلُوهَا مُؤَكِّدًا لَّهَا»

''باوجود اس بات کے کہ میرے خیال میں جمہور کا مذہب راجح ہے، میں امام ابن تیمیہ اوران کے ہم خیال لوگوں کی رائے اختیار کرنے میں کوئی مانع نہیں پاتا، اس لیے کہ طلاق سے خاندان اجڑ جاتا اور اولاد برباد ہو جاتی ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''طلاق حلال تو ہے لیکن اللہ کو یہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ حلال ہے۔''[1] اور شریعت نے اس کی اجازت شدید ترین ضرر کے ٹالنے اور زیادہ فوائد حاصل کرنے کی خاطر دی ہے، اسے صرف انتہائی ناگزیر ضرورت کے وقت ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ دو طہروں میں دو مرتبہ دی جائے جیسا کہ سنّت اس طرف رہنمائی کرتی ہے، نہ کہ دونوں طلاقیں اکٹھی دے دی جائیں، پھر اگر چاہے تو (رجوع کرکے) بیوی کو اپنے پاس روک لے اور اگر چاہے (رجوع کا ارادہ نہ بنے) تو اسے چھوڑ دے اور طلاق کو اپنے منطقی انجام تک پہنچا دے۔ (علیحدہ علیحدہ طلاق دینے کے) اس طریقے میں لوگوں کے لیے آسانی ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ طلاق سے اکثر مقصود، عورت کو ڈرانا ہوتا ہے، نہ کہ حقیقت میں طلاق دینا۔ علاوہ ازیں جدائی تو ایک طلاق سے بھی واقع

[1] سنن أبي داود، الطلاق، باب في كراهية الطلاق، حديث:2178 و سنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سويد بن سعيد، حديث:2018، والمستدرك للحاكم، كتاب الطلاق:196/2، حديث:2794.

ہو جاتی ہے، مابعد کی طلاقیں تو محض تاکید ہی کے لیے ہوتی ہیں، (اس لیے ان کا اعتبار نہ کیا جانا ہی انسب ہے۔)''[1]

سید سابق مصری رحمہ اللہ

سید سابق مصری رحمہ اللہ جن کا چند سال قبل ہی انتقال ہوا ہے، اپنے وقت کے ممتاز محقق، فقیہ اور بلند پایہ عالم تھے۔ ان کی تالیف فقه السنّة پورے عالم اسلام میں نہایت مستند اور معتبر شمار ہوتی ہے۔ اس میں فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے مسئلہ زیر بحث میں فریقین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اسی دوسری رائے کی طرف متاخرین کی ایک جماعت گئی ہے، ان میں ابن تیمیہ، ابن القیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے۔ اور ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں محمد بن وضاح کا بھی یہی مسلک بیان کیا ہے اور مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت کا فتویٰ بھی اس کے مطابق نقل کیا ہے، جیسے محمد بن بقی اور محمد بن عبدالسلام وغیرہ۔ اور امام ابن منذر نے ابن عیسیٰ کے اصحاب، جیسے: عطاء، طاؤس، عمر اور ابن دینار کی بھی یہی رائے نقل کی ہے، نیز ابن مغیث نے اپنی اس کتاب میں حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف بیان کیا ہے۔ اور یہی وہ موقف ہے جس کے مطابق مصر کی عدالتیں فیصلے کرتی ہیں۔''[2]

علامہ شیخ محمود شلتوت، شیخ الازہر (مصر)

انھوں نے بھی مذکورہ علمائے عرب کی طرح مسئلہ طلاق ثلاثہ بیک مجلس کے سلسلے میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو ان حضرات کا ہے۔ یہ فتویٰ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے مضمون میں شامل ہے جو صفحہ 301 پر آ رہا ہے۔

---

[1] التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ، پارہ دوم، ص:342,341.
[2] فقه السنّة:271,270/2.

ہند کے علمائے احناف

یہ تو موجودہ دور کے علمائے عرب تھے۔ اب ملاحظہ فرمائیں برصغیر پاک و ہند کے علماء۔ ان میں علمائے اہل حدیث شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ تو سب ہی ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ہم یہاں صرف اُن علمائے احناف کا ذکر کریں گے جنھوں نے موجودہ حالات میں اس بات کا اعتراف اور اظہار کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دے دینے سے جو معاشرتی مشکلات اور خاندانی مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس کا واحد حل یہ ہے کہ اہل حدیث کے مسلک کو اپنایا جائے اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے۔

برصغیر پاک و ہند کے جن علماء نے اس موضوع پر اپنے نتائجِ مطالعہ و تحقیق پیش کیے ہیں، ان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ ''برہان'' دہلی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت، مولانا حامد علی سیکرٹری جماعت ہند، مولانا عروج احمد قادری مدیر ماہنامہ ''زندگی'' رامپور، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند اور دیگر متعدد علماء شامل ہیں جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

چنانچہ ہندوستان کے بعض دردمند حضرات نے مسئلہ تطلیقات ثلاثۃ کے موضوع پر ایک سیمینار (مجلس مذاکرہ 4 تا 6 نومبر 1973ء) اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ احمد آباد (ہند) میں منعقد کرایا جس میں مذکورہ حضرات اور دو اہل حدیث علماء مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا مختار احمد ندوی شریک ہوئے۔ سیمینار میں حصہ لینے والے حضرات کی خدمت میں حسب ذیل سوالنامہ روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے مقالات مرتب کر سکیں، اور اپنے نقطۂ نظر کو مدلل طور پر پیش کرنے کے ساتھ ان سوالات کے جوابات بھی دے سکیں۔

سیمینار (مذاکرۂ علمیہ) کے چار سوالات

* کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرانے سے، یعنی بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔
* کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں لفظ ''تین'' کی صراحت کے ساتھ دیتا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین کا لفظ جب تک استعمال نہ کیا جائے، طلاق واقع ہوتی ہی نہیں ہے تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟
* کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر امت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو ان علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔
* آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلے کا کیا حل ہے۔ اسے ایک شمار کیا جانا چاہیے یا تین؟

مذکورہ شریک آٹھ حضرات میں سے سات علماء نے مقالے مرتب کیے۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن نے مقالہ تو نہیں پڑھا، صدارتی کلمات میں مجلس میں پڑھے گئے مقالات پر جامع تبصرہ فرمایا اور مسئلۂ زیر بحث کو اختلافی تسلیم کرتے ہوئے اس کے مناسب حل پر زور دیا اور اس مسئلے میں

کو توسع پیدا کرنے کی تلقین کی۔ان میں سے صرف مولانا عروج قادری نے اپنے مقالے میں حنفی نقطۂ نظر پیش کیا تاہم انھوں نے بھی مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر ایک معتدل راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

باقی تمام حضرات نے اس مسئلے میں ایک تو اجماع کے دعوے کی نفی کی ہے،اور صاف اعتراف کیا ہے کہ یہ مسئلہ عہد صحابہ ہی سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔اور دوسرا انھوں نے مسئلے کا وہی حل پیش کیا ہے جس کے اہل حدیث قائل ہیں کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جائے،مزید برآں اس نقطۂ نظر کی حمایت میں انھوں نے قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے ایسے ٹھوس دلائل پیش کیے ہیں جس کے بعد فقہی جمود پر اصرار کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں رہتی۔جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

سیمینار کی پوری کارروائی، مقالات اور ان پر اعتراضات کے جوابات، یہ سب ایک کتابی شکل میں ''ایک مجلس کی تین طلاق'' کے عنوان سے چھپ گئے ہیں۔ہم ان میں سے چند ضروری مقالات کی تلخیص اور اہم اقتباسات آیندہ صفحات میں پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلے کی نوعیت پوری طرح واضح ہو جائے۔

مولانا شمس پیرزادہ (بمبئی)

انھوں نے مذکورہ کتاب (مجموعۂ مقالات علمیہ دربارہ ''ایک مجلس کی تین طلاق'') کا پیش لفظ تحریر کیا ہے،اس میں دعوائے اجماع کی نفی کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نہ قرآن کی کوئی صریح نص ہے، نہ کوئی ایسی حدیث جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی اور نہ ہی اجماع ہے بلکہ یہ مسئلہ قرآن وسنت کے نصوص کی تعبیر اور اجتہاد واستنباط سے تعلق رکھتا ہے، اسی وجہ سے اس میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور ایک مسلک مستقلاً اہل حدیث کے نام

سے موجود ہے جو ایک وقت کی تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق تسلیم کرتا ہے۔ اگر چار مسلکوں کو برحق تسلیم کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پانچویں مسلک کو بھی برحق تسلیم نہ کیا جائے جبکہ اس کی پشت پر علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے مجتہدین ہوں، لہٰذا ہر قسم کی تنگ نظری اور مسلکی عصبیت کو طلاقِ مُغلّظہ دیتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس مسئلے کو اس طور سے پیش کرنا چاہیے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور دلائل دونوں طرف ہیں۔ اگر کوئی شخص تین یکجائی طلاقوں کو ایک قرار دینے والے مسلک کو اختیار کرتا ہے تو اس کی پوری گنجائش اسلام کے اندر موجود ہے اور اس سے کوئی گمراہی ہرگز لازم نہیں آتی۔"[1]

علاوہ ازیں مقالات میں بھی مولانا موصوف کا مقالہ شامل ہے۔ اس مقالے کے آخر میں "خلاصۂ بحث اور مسئلہ کا حل" عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"تین یکجائی طلاقوں کے ایقاع کے سلسلے میں دلائل کا جو جائزہ اوپر پیش کیا گیا ہے اُس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تین یکجائی طلاق کے ایقاع پر نہ قرآن کا کوئی صریح حکم موجود ہے، نہ کوئی صحیح حدیث ہی ایسی ہے جس میں اس کا صریح حکم بیان کیا گیا ہو اور نہ اس پر اجماع ہی ثابت ہے بلکہ یہ مسئلہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اُمت کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اور دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ ایسی صورت میں جو بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مسئلہ نصّی اور قطعی حکم کا نہیں بلکہ تعبیر اور اجتہاد کا ہے، اس لیے اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اُس کو اجتہادی اختلاف پر محمول کرتے ہوئے فتویٰ اُس اجتہادی رائے کے مطابق دیا جانا چاہیے جو مصالحِ اُمت کے لحاظ سے انسب ہو۔

---

[1] ایک مجلس کی تین طلاق، ص:9، پاکستانی ایڈیشن، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور۔

ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ لوگ بُری طرح جہالت میں مبتلا ہیں، شرعی احکام سے بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں، اس لیے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں پچھتانے لگتے ہیں، دوسری طرف مرد کی اِس نادانی کے نتیجے میں خاندان کے لیے بڑے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں اور تیسری طرف مُسلم پرسنل لاء اور اسلامی نظامِ معاشرت کے مخالفین شریعت پر حرف زنی کرنے اور اسلامی طرزِ معاشرت کی بڑی بھونڈی تصویر پیش کرنے لگتے ہیں جس سے جدید تعلیم یافتہ ذہن خاصا متأثر ہورہا ہے اور شرعی قوانین کی حفاظت کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات کھڑی ہورہی ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مصالح دین اور مصالحِ اُمّت کا تقاضا ہے کہ فقہی مسلکوں کے خول میں بند رہنے کی بجائے وسیع النظری سے کام لیا جائے اور اُس اجتہادی رائے کو اختیار کیا جائے جس کے مطابق تین یکجائی طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ ایک طرف عام مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انھیں طلاق دینے کے شرعی طریقے سے واقف کرایا جائے کہ اگر کوئی شخص طلاق دینا چاہے تو صرف ایک طلاقِ رجعی بحالتِ طُہر جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو، دینے پر اکتفا کرے، اس کے بعد اگر وہ رُجوع کرنا نہیں چاہتا تو عدّت گزرنے دے، عدّت گزرنے پر دوبارہ نکاح کا موقع باقی رہے گا، اس لیے پچھتانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوگا۔ اس طرح ایک طرف وسیع پیمانے پر شرعی حکم سے لوگوں کو واقف کرانے کی کوشش کی جائے اور دوسری طرف ہماری شرعی پنچائتیں تین یکجائی طلاقوں کے ایک واقع ہونے کا فتویٰ دیں۔‘‘ واللہ أعلم.[1]

---

[1] ایک مجلس کی تین طلاق۔

مولانا سید احمد عروج قادری (ایڈیٹر ماہنامہ ''زندگی'' رام پور، بھارت)

انھوں نے اپنے مقالے میں حنفی موقف کی تائید کی ہے لیکن اس کے باوجود سوالات کے جوابات میں انھوں نے مسئلۂ زیر بحث میں کافی گنجائش نکالی ہے۔

لیجیے! سوالات اور جوابات ملاحظہ فرمائیے:

سوال: کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دُہرانے سے، یعنی بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی؟

جواب: اگر تین بار طلاق کا لفظ دُہرانے والا یہ کہتا ہے کہ اُس کی نیت ایک طلاق کی تھی، مزید دو بار طلاق کا لفظ اُس نے تاکید کے لیے استعمال کیا تھا تو میرے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی۔

سوال: کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں لفظ تین کی صراحت کے ساتھ دیتا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ جب تک تین کا لفظ استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں۔ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟

جواب: میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر طلاق دینے والے نے اِس خیال کے تحت تین کی صراحت کے ساتھ طلاق دی کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جانا چاہیے۔

سوال: کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مُغلّظہ ہونے پر اُمّت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو اُن علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

جواب: ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلّظہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ بھی چلا آرہا ہے اور اس کا انکار بھی۔ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اساطین امّت نے اس پر اجماع کا انکار کیا ہے، اور اب تو اہل حدیث حضرات کی کثیر التعداد جماعت بھی اس پر اجماع کا انکار کرتی ہے۔

اختلاف مسالک بتانے والی کتابوں کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے سے اس مسئلے میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ابن رُشد لکھتے ہیں:

«جُمْهُورُ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ عَلٰى أَنَّ الطَّلَاقَ بِلَفْظِ الثَّلَاثِ حُكْمُهُ حُكْمُ الطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ، وَقَالَ أَهْلُ الظَّاهِرِ وَجَمَاعَةٌ: حُكْمُهُ حُكْمُ الْوَاحِدَةِ وَلَا تَأْثِيرَ لِلَفْظٍ فِي ذٰلِكَ»

''جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ تین کے لفظ سے جو طلاق دی جاتی ہے، اُس کا حکم تیسری طلاق، یعنی طلاق مغلّظہ کا ہے اور اہل ظاہر اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس کا حکم ایک طلاق کا حکم ہے اور اس میں لفظ کی کوئی تاثیر نہیں۔''[1]

خود قاضی ابن رُشد کا اپنا رُجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم ایک ہی طلاق کا ہونا چاہیے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلّظہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے۔

سوال: آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلے کا کیا حل ہے، اسے ایک شمار کیا جانا چاہیے یا تین؟

جواب: جیسا کہ اُوپر مقالے میں عرض کر چکا ہوں، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بیک مجلس اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ میرے نزدیک تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی جتنی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اُس کا ذکر میں نے سوال نمبر ایک اور دو کے جواب میں کیا ہے۔ جو لوگ، یہ جان کر اور سمجھ کر کہ بیک دفعہ و بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں۔[2]

---

[1] بداية المجتهد، كتاب الطلاق، جلد دوم.

[2] ایک مجلس کی تین طلاق۔

مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی، فاضل دیوبند

ان مقالہ نگاروں میں ایک حنفی عالم مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی، فاضل دیوبند، مدرس مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں (بھارت) ہیں۔ یہ اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

''طلاق ثلاثہ کے موضوع پر غور وفکر کرنے کے لیے میرے نزدیک چار بنیادیں ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد ہمیں فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہمارے لیے موجودہ حالات میں کون سا راستہ زیادہ قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے:

* غور وفکر کی پہلی بنیاد: کیا تین طلاقوں کو ایک سمجھنے کا خیال دَورِ نبوت ہی سے آ رہا ہے؟ اور کیا احادیث میں اس کے لیے کوئی بنیاد موجود ہے یا نہیں؟ اگر اس کی بنیاد موجود ہے اور دَورِ نبوت ہی سے بحث وگفتگو کی گنجائش چلی آ رہی ہے تو اب ہمارے لیے اور مسئلوں کی طرح یہاں بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارے معاشرے میں کونسی صورت زیادہ مناسب ہے؟ اس کو اختیار کر لیا جائے۔
* غور وفکر کی دوسری بنیاد: کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شے ہے؟ اگر نہیں تو کیوں نہ ایسی شکل پر غور وفکر کیا جائے جو سنت کے مطابق اور شریعت کے منشا کے عین مطابق ہو۔
* غور وفکر کی تیسری بنیاد: کیا فقہِ حنفی میں اِس کی گنجائش ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال سے ہٹ کر کسی دوسرے امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا جائے؟
* غور وفکر کی چوتھی بنیاد: ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہمیں کون سی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں؟ قانون کی عمدگی کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں معاشرے کے لیے زیادہ سے زیادہ خیر وفلاح کی ضمانت ہو۔

آیئے! اب ہم پہلی بنیاد پر غور کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا

بھی لغو و باطل نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے، اور اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ ہمیشہ سے اسے تسلیم کرتا آیا ہے، اس کے لیے ہم مختصراً چار احادیث نقل کرتے ہیں۔" (اس کے بعد فاضل مقالہ نگار نے احادیث اور ائمہ وفقہاء کے اقوال نقل کیے ہیں، اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:)

"عصرِ حاضر کے علماء میں علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں طلاق ثلاثہ کو تین ماننا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوّلیات میں شمار کیا ہے۔ آخر صحیح مسلم ہی میں تو موجود ہے کہ "عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جاری کر دیا۔" اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ دورِ اول میں تین کا تین سمجھنا عمومی طور سے نہ تھا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اس خیال کو کہ تین طلاقیں لفظ واحد سے ہو تو ایک ہی سمجھی جائے گی، اس کی نظیریں (مثالیں) پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "شریعت لعان میں چار قسموں کو ضروری قرار دیتی ہے مگر ایک ہی لفظ سے کوئی چار قسمیں کھا لے تو ہمارے فقہاء اس کو ناکافی سمجھتے ہیں اور وہ الگ الگ چار قسموں کو ضروری قرار دیتے ہیں، اسی طرح اگر شریعت تین طلاقوں کو مباح کرتی ہے اور یکجا استعمال کو معصیت بھی بتلاتی ہے تو ضروری ہے کہ ان کو الگ الگ رکھا جائے اور ایک جملے سے ادا کی جانے والی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے، بالکل اُسی طرح جس طرح رمیِ جمار کے لیے سات کنکریوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک ہی دفعہ میں سات کنکریاں مار دے تو وہ ایک ہی مارنے والا سمجھا جائے گا جس طرح کسی نے قسم کھائی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لاکھ درود شریف پڑھے گا۔ اب اگر اُس نے صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ أَلْفٍ کہہ دیا تو یہ ناکافی سمجھا جائے گا بلکہ الگ الگ ایک لاکھ درود پڑھنا پڑے گا، پھر جا کر وہ قسم پورا کرنے والا کہلائے گا۔"

ہمارے علماء ان قیاسات کو قیاس مع الفارق بتلاتے ہیں مگر ان تاویلوں کی حیثیت اتنی قوی

نہیں کہ اس میں گفتگو کی گنجائش نہ ہو۔

ان تمام تحریروں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک کہنے کا خیال بعد کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد دورِ نبوت اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی میں ملتی ہے اور اس کے حق میں بھی نقلی اور عقلی دلائل ہیں اور شروع ہی سے علمائے اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ اسی کو مانتا آرہا ہے، لہٰذا طلاقِ ثلاثہ کو ایک باور کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اصح نہیں تو صحیح ضرور ہے، راجح نہیں تو مرجوح کہہ لیجیے مگر لغو اور باطل نہیں کہا جا سکتا۔

غور و فکر کی دوسری بنیاد تھی کہ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شے ہے؟ اس کا جواب بالکل نفی میں ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ناپسندیدہ ہی نہیں، سخت معصیت کا موجب بھی ہے۔ سنن نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»

''کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے؟ خالانکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔''[1]

اس معاملے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عام رائے وہ ہے جس کو صاحب فتح القدیر نے نقل کیا ہے کہ امام محمد نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

«إِنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ يَتْرُكَهَا حَتَّى تَحِيضَ ثَلَاثَةَ حِيَضٍ»

''صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی بیوی کو صرف ایک طلاق دے اور اُسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اسے تین حیض آجائیں۔''[2]

---

[1] سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، حديث:3430.

[2] فتح القدير لابن الهمام:146/2.

یہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں۔ خود امام محمد کے اصل الفاظ یہ ہیں:

«كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لَّا يَزِيدُوا فِي الطَّلَاقِ عَلٰى وَاحِدَةٍ حَتّٰى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ»

''اُن کو پسند یہ طریقہ تھا کہ طلاق کے معاملے میں ایک سے زیادہ نہ بڑھیں یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔''

اسی لیے ہمارے فقہائے کرام اس طلاق ثلاثہ کو طلاق بدعی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بدعت کہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ طلاق حدیث سے ثابت نہیں بلکہ وہ مانتے ہیں کہ یہ ثابت ہے، صرف مُوجبِ عتاب اور معصیت ہونے کی وجہ سے اس کو مغلّظ اور طلاق بدعت کہا جاتا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«كُرِهَ أَيْضًا جَمْعُ الطَّلْقَاتِ الثَّلَاثِ فِي طُهْرٍ وَّاحِدٍ»

''ایک ہی طہر میں تین طلاقوں کا جمع کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔''[1]

اور یہ فعل شرعی حکمتوں اور مصالح کو باطل کرنے والا ہے۔

سابقہ تصریحات سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا شریعت کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو نفسِ طلاق ہی کو أَبْغَضُ الْحَلَالِ کہا گیا ہے، چنانچہ سنن ابوداود میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ»

''اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو طلاق سے بڑھ کر اُسے ناپسند ہو۔''[2]

---

[1] حجة الله البالغة: 14/2.

[2] سنن أبي داود، الطلاق، باب في كراهية الطلاق، حديث:2178و سنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سويد بن سعيد، حديث:2018و السنن الكبرى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب ماجاء في كراهية الطلاق:322/7.

اسی لیے ہمارے فقہاء کی تصریح ہدایہ اوّلین میں موجود ہے:

«اَلْأَصْلُ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ»

''طلاق میں اصل، ممانعت ہے۔''

شریعت نے کچھ عظیم مصلحتوں کی وجہ سے طلاق کو مشروع کیا ہے اور کہا ہے کہ بوقت شدید ضرورت اس کا استعمال درست ہے۔ اور اُصولِ فقہ کا یہ قاعدہ ہے:

«مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ فَهُوَ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ»

''جو چیز کسی خاص مجبوری اور ضرورت کے لیے مباح کی جائے گی وہ صرف اُسی قدر مباح ہوگی جس سے ضرورت پوری ہو جائے۔''

مثلاً: بوقت ضرورت مُردار حلال کیا گیا ہے تو اس میں قید لگا دی گئی ہے کہ صرف اُتنی مقدار میں مُردار حلال ہے جس سے رشتۂ زندگی کو باقی رکھا جا سکے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾

''نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو۔''[1]

اب اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دیتا ہے تو وہ سخت معصیت کا کام کرتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تو دو طلاقوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ہدایہ اوّلین میں ہے:

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: إِنَّهُ بِدْعَةٌ وَّلَا يُبَاحُ إِلَّا وَاحِدَةً، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ وَالْإِبَاحَةُ لِحَاجَةِ الْخَلَاصِ وَقَدِ انْدَفَعَتْ بِالْوَاحِدَةِ»

''دو طلاقیں (بیک وقت دینا) بھی بدعت ہے صرف ایک مرتبہ ایک ہی مباح ہے کیونکہ نفسِ طلاق خود اوّلاً ناپسندیدہ شے ہے اور طلاق کی اباحت ایک ضرورت کے

---

[1] البقرة 2:178.

تحت تھی اور وہ ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے۔“

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا معصیت ہے تو کیوں نہ اِس معصیت کے روکنے کا انتظام کیا جائے اور اس کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے اور شریعت کی مصلحتوں کو طلاق کے سلسلے میں باقی رکھا جائے۔ علامہ فخر الدین رازی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔[1]

غور و فکر کی تیسری بنیاد تھی کہ کیا فقہ حنفی میں اِس کی گنجائش ہے کہ بوقتِ شدید ضرورت دوسرے مجتہدین کی آراء پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ اس کے متعلق میں واضح الفاظ میں عرض کر دوں کہ عُرف و مصلحت اور حالات کی جتنی رعایت فقہ حنفی میں ملحوظ رکھی گئی ہے شاید ہی دوسری جگہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملاً فقہِ حنفی کو تنفیذ احکام سے ایک مدید و طویل مدت تک واسطہ رہا ہے۔ ہمارے فقہاء اُن احکام کو جن میں مصالح عامّہ کے پیش نظر حکم لگایا گیا ہے، استحسان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ ان مسائل میں شرعی دلائل کچھ اور ہیں مگر شریعت کا عمومی مزاج اور اُس کا عمومی قانونِ یُسر اور لوگوں کے حالات کسی اور بات کے متقاضی ہیں، لہٰذا اس کی مناسبت سے ایک دوسرا قابلِ عمل طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اسی کو استحسان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقہ کی دنیا میں علامہ شامی کو کون نہیں جانتا؟ عالمِ اسلام میں جو شہرت و مقبولیت اُن کو حاصل ہوئی اُس سے شاید ہی کوئی دوسرا بہرہ ور ہوا ہو۔ انھوں نے خاص اِسی عنوان پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے نشر الحرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف یہ رسالہ 1901ء میں دمشق سے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں علامہ موصوف نے بڑی تفصیل سے اُن مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں عرف اور مصلحت نیز زمانے کے تقاضوں کا خصوصی لحاظ رکھا

---

[1] التفسیر الکبیر: 2/248.

گیا ہے۔اس کے بعد فاضل مقالہ نگار نے کئی مثالیں دی ہیں جن میں بعد میں آنے والے فقہاء نے متقدمین کی رائے کے برعکس فتوے دیے ہیں۔اس کے بعد لکھتے ہیں:

''لہٰذا اس بُنیاد پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ثلاثہ والے مسئلے میں اگر دیگر فقہاء کے مسلک پر فتویٰ دے دیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہ ہوگی کیونکہ ضرورت اس کی شدید متقاضی ہے جیسا کہ ہم چوتھی بنیاد میں اس پر گفتگو کریں گے،اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض احناف اور جلیل القدر علماء یہ میلان رکھتے ہیں۔

مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی سے کسی سائل نے اسی طلاق ثلاثہ کے متعلق دریافت کیا تھا،سائل کے گاؤں میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا کہ ایک حنفی شخص نے تین طلاقیں دینے کے بعد کسی اہل حدیث عالم سے فتویٰ پوچھ کر رجوع کرلیا۔اب گاؤں کے لوگوں نے اُس کا بائیکاٹ کردیا۔مفتی صاحب نے یہ جواب دیا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے ضرور قائل ہیں کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس، عکرمہ اور ابن اسحٰق رحمہم اللہ سے منقول ہے، پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابلِ مقاطعہ اور مستحق اخراج از مسجد ہے۔ ہاں! حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اُس پر عمل کرنا باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو،تو قابلِ درگزر ہے۔''[1]

ہمارے علمائے احناف میں سے مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھتے ہیں:''اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقتِ ضرورت کہ اُس

---

[1] اخبار الجمعیة دهلي، مورخہ 6 شعبان1350ھ بمطابق 16 دسمبر1931ء محمد کفایت اللہ غفر اللہ له. (مدرسہ امینیہ دہلی)

ت کا علیحدہ ہونا اُس سے دُشوار ہو اور احتمال مفاسدِ زائدہ کا ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی مسئلہ نکاحِ زوج مفقود اور عدۃ ممتدّۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورۃ قول امام مالک رحمہ اللہ پر عمل کر لینے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ ردالمحتار میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔''[1]

مدرسہ امینیہ دہلی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کرتے چلیے:

''بعض سلف صالحین اور علمائے متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں اگرچہ ائمہ اربعہ میں یہ بعض نہیں ہیں، لہٰذا جن مولوی صاحب نے مفتیٔ اہل حدیث پر جو فتویٰ دیا ہے، یہ غلط ہے اور مفتیٔ اہل حدیث پر اس اختلاف کی بنا پر کفر و مُقاطعہ واخراج از مسجد کا فتویٰ غیر صحیح ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوفِ مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے تو وہ خارج از مذہبِ حنفی نہ ہوگا کیونکہ فقہائے حنفیہ نے بوجہ شدّتِ ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے۔''[2]

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں، میں نے پڑھا ہے کہ جس زمانے میں انھوں نے ''حیلۂ ناجزہ'' تصنیف فرمائی اور اُس میں نکاح مفقود الزوج کے سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا تو کسی نے کہا کہ آپ لوگ تقلیدِ ابوحنیفہ پر بہت زور دیتے ہیں، لیکن امام مالک کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں تو تقلید جا رہی ہے۔ فرمایا: تم تقلید کو لیے پھرتے ہو، یہاں سرے سے اسلام ہی جا رہا ہے۔ درحقیقت اُن کا اشارہ اس طرف تھا کہ شریعت کی مصلحت کل کو باقی رکھنے کے لیے کسی خاص امام کی تقلید کر کے دوسرے امام کی رائے

---

[1] مجموعہ فتاوی، ص: 347.

[2] دستخط حبیب المرسلین عفی عنہ۔ مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی۔ بحوالہ الجواہر العالیہ صفحہ 74، مرتب مولانا ابوعبیدہ اعظمی۔

پر عمل درست ہے۔

اس پوری تفصیل سے آپ کو یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ ائمہٗ احناف بوقت ضرورت اور زمانے کی اقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے مجتہدین وائمہ کی آراء پر عمل کو جائز رکھتے ہیں، لہٰذا طلاق ثلاثہ والے مسئلے میں ہم غور وفکر کر کے دیکھیں کہ واقعی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ تین طلاقیں واحد شمار کی جائیں یا نہیں؟ اگر ضرورت شدید ہے تو اسے قبول کرلیں۔

غور وفکر کی چوتھی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہمیں کونسی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا ہندی معاشرہ (اور پاکستانی معاشرہ بھی) کچھ اس طرز پر چل رہا ہے کہ اس میں دینی قدریں ماند پڑ گئی ہیں۔ ہمارے عوام دین کا اتنا حصہ بھی حاصل نہیں کرتے جو اُن پر فرض عین ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو دنیاوی تعلیم کی بڑی اعلیٰ ڈگریاں رکھتے ہیں اور دینی تعلیم اُس کی نسبت سے کم تر ہے۔ اسی جہالت کے باعث جب ایسے لوگ طلاق دینا چاہتے ہیں تو انھیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کون سا طریقہ بتایا اور پسند فرمایا ہے اور کسے معصیت بتایا ہے بلکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ایسے مل جائیں گے جنھیں یہ مسئلہ معلوم ہے کہ ایک طلاق کے بعد رُجوع کا اختیار ہوتا ہے، اس لیے وہ ایک طلاق کو کامل طلاق ہی نہیں سمجھتے اور جب وہ دینی ناواقفیت اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر تین طلاقیں دیتے ہیں تو صحیح حکم کے ظاہر ہونے کے بعد سخت نادم ہوتے ہیں اور دنیا بھر کی حیلہ جوئی اور چارہ گری تلاش کرتے ہیں، ایسی غلط تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ پھر وہ عورت اس کے نکاح میں بغیر تحلیل کے آجائے یا باقی رہ جائے۔

اس سے متعدد خرابیاں رُونما ہوتی ہیں۔ اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اُسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے، یعنی شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح

تا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا۔ اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَعَنَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''①

یہ حدیث سنن نسائی میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ، لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''کیا میں تم کو منگی کے (مانگے ہوئے) بکرے سے آگاہ نہ کروں''؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ابن ابی شیبہ نے اِن الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

«لَا أُوتٰى بِمُحَلِّلٍ وَلَا مُحَلَّلٍ لَّهُ إِلَّا رَجَمْتُهُمَا»

'میرے پاس جو بھی حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہو، لایا جائے گا تو میں اُس کو سنگسار کردوں گا۔''③

امام بیہقی نے اپنی السنن الکبریٰ میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس سے اُس شخص

---

① جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحل والمحلل له، حديث: 1120و سنن النسائي، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا......، حديث:3445.

② سنن ابن ماجه، الطلاق، باب المحلل والمحلل له، حديث:1936.

③ المصنف لابن أبي شيبة:291/7.

کے بارے میں سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، اگر کوئی شخص اُس کی بیوی اُس کے لیے حلال کر دے تو کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا:

«مَنْ يُّخَادِعِ اللهَ يَخْدَعْهُ»

''جو اللہ کے ساتھ چالبازی کرے گا، اللہ اُس کی چال کو ناکام کر دے گا۔''[1]

یہ فتویٰ امام طحاوی نے بھی معانی الآثار میں نقل کیا ہے۔[2] موطأ امام مالک میں ہے:

«يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا مَعَ كُلِّ حَالٍ إِذَا أُرِيدَ بِالنِّكَاحِ التَّحْلِيلُ»

''دونوں کے درمیان ہر حال میں تفریق کر دی جائے گی۔ اگر اُن کا ارادہ تحلیل کا ہے۔''

ہمارے ائمہ میں سے صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تحلیل سے بیوی زوجِ اوّل کے لیے حلال ہوتی ہے ورنہ امام محمد و ابو یوسف کے نزدیک دیگر ائمہ کی طرح عَلٰی وَجْهِ التَّحْلِيلِ کیا ہوا نکاح غلط ہے اور اس سے عورت زوج اوّل کے لیے حلال نہیں ہوتی ہے۔ ویسے خود امام صاحب بھی تحلیل کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

«إِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوهٌ لِّقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

موطأ امام مالک کے حاشیے میں ہے:

«قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَبُويُوسُفَ بِشَرْطِ أَنَّهُ إِذَا وَطِئَ طَلَّقَ، بَطَلَ»

''امام شافعی و ابو یوسف رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا کہ ہم بستری کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا، تو نکاح باطل ہے۔''

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتویٰ ملاحظہ کرتے چلیے جسے وہ اخبار الجمعیۃ دہلی،

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة: 337/7.

[2] معاني الآثار: 33/2.

شعبان 1350ھ مطابق 16 دسمبر 1931ء میں تحریر فرماتے ہیں:

''حلالہ: مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے اور پھر اُس سے طلاق یا موتِ زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوج کے لیے حلال ہو جائے، اسی کا نام حلالہ ہے۔ لیکن زوج اول یا زوجہ یا اُس کے کسی ولی کی طرف سے زوجِ ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ طلاق دے دے اور زوج ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے اس سے نکاح کرنا یہ حرام ہے اور اس بارے میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے۔''

اب آپ غور کر کے دیکھیے کہ ہمارے معاشرے میں کون سی شکل رائج ہے۔ بالکل متعة النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے۔ اس شکل میں بعض ایسے شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، اسی لیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، ایسے لوگوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع وفساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

ان تمام قباحتوں کا ارتکاب تو اس شکل میں ہوتا ہے جب طلاق دینے والا حنفی مسلک پر قائم رہتا ہے لیکن اگر وہ حنفی مسلک پر مستعد نہیں تو فوراً ایسی شکل میں وہ تبدیلیِ مسلک پر غور کرتا ہے اور یہاں بھی ایسا شخص مجرم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے علماء اس کو شریعت کی اتباع نہیں بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح کی تبدیلی کو غلط اور ناجائز بتاتے ہیں، چنانچہ علامہ شاطبی نے الموافقات جلد 4 صفحہ 82 بیان مفاسد اِتِّبَاعِ رُخَصِ الْمَذَاهِب میں اس کو وضاحت سے لکھا ہے۔ اور خود طلاق دینے والے کے لیے یہ دشواری ہے کہ اگر وہ صرف اِس مسئلے کی حد تک اہل حدیث مسلک پر عمل کرتا ہے اور باقی سب مسئلوں میں اہل حدیث کی مخالفت کر کے ابوحنیفہ کو مانتا ہے تو یہ کھلی خواہشِ نفس کی پیروی ہے۔ ایسا رجحان شرعی معاملات

میں ایک خطرناک رُجحان ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ مذاہب کی رُخصتوں کا متلاشی ہوگا، اور اگر اس ایک مسئلے کی وجہ سے مکمل اہل حدیث مسلک اختیار کرلے تو اپنے ذہن وقلب کے خلاف کرتا ہے کہ بہت سے مسئلوں میں امام ابوحنیفہ کو برحق مانتے ہوئے جس پر وہ اب تک پوری زندگی عمل کرتا رہا ہے، اب صرف ایک مسئلے کی وجہ سے اُس کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہے۔ مزید یہ کہ اس طرح عورت کو غصہ اور جذبات کی شدت میں الگ کردینے کے نتائج بہت سنگین شکل میں برآمد ہوتے ہیں۔ خصوصًا عورت کی زندگی کے لیے تو انتہائی تباہ کُن بھی ہوسکتے ہیں، فوری طور پر بچوں کی نگہداشت اور اُن کی پرورش وتربیت کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے حقیقی ماں جس طرح اپنی اولاد کی ساخت و پرداخت پر اپنا خونِ جگر صرف کرسکتی ہے، دوسری عورت نہیں کرسکتی، پھر اسی مطلقہ عورت کا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے کہ اس کو کس طرح معاشرے میں جذب کیا جائے۔ 50,25 برس شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد اب الگ ہوکر وہ کہاں جائے؟ خصوصًا جبکہ وہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکی ہو۔ ہندوستان (اور پاکستان میں بھی) ہمارا بیت المال بھی نہیں کہ اس کی کفالت ہوسکے۔ خود اس میں کمانے اور پیٹ بھرنے کی استطاعت نہیں۔ اس کے علاوہ وہ پردہ نشین خاتون جس نے اب تک عزت وخودداری کی اعلیٰ زندگی بسر کی ہو، کس طرح اپنی معاشی پریشانی کا ازالہ کرسکے اور سکون واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرسکے؟

مجھے اپنے شہر کے متعلق اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک صاحب جو اچھے خاصے دیندار معروف تھے، 60,50 برس کی عمر تک ساتھ رہنے کے بعد ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں، کچھ دنوں تک تو اس عورت نے خود کو سنبھالا مگر اُس کے افرادِ خاندان کی غربت اور معاشی پریشانی کی وجہ سے وہ اس قدر بدحال ہوگئی کہ اُس کے دماغ پر جنون کے اثرات ہوگئے، اب وہ دربدر کاسہ گدائی لے کر اپنا پیٹ بھرتی ہے۔

اِس طرح کے دسیوں واقعات آپ کو مل جائیں گے۔ محترم اقبال ورق والا صاحب کے

ظ سے متفق ہوں کہ مخالفین ان واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر اس کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اِن واقعات کی کوئی نہ کوئی اصلیت بھی ضرور ہے جس پر رنگ آمیزی اور مبالغے کی دیوار کھڑی کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکومت (ہند) ایسے قوانین بنانے پر تُل گئی ہے کہ مطلقہ کا نان ونفقہ اُس وقت تک شوہر کے ذمے واجب ہے جب تک وہ دوسری شادی نہ کرلے۔ ظاہر ہے یہ چیز افراط کی طرف ایک قدم ہے۔ مگر یہ بھی کمی اور تفریط کی بات ہوگی کہ ایسی عورت کے سلسلے میں ہم بیٹھ کر کوئی لائحۂ عمل نہ سوچیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر طلاق کے مروّجہ طریقے میں احناف کے مسلک سے ہٹ کر بعض دیگر مجتہدین کی آراء پر عمل کرلیا جائے، یعنی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جائے تو بہت سی پیچیدگیاں خود بخود رفع ہوجائیں گی اور فریقین ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ ایک دوسرے کے مستقبل کے بارے میں سوچ سکیں گے۔ اس طرح مخالفین کو مسلم پرسنل لاء کے خلاف رنگ آمیزی کا بھی موقع نہ رہے گا جس طرح مصری علماء نے پوتے کی وراثت کے سلسلے میں ثُلث مال کی اختیاری وصیت کو لازم کردیا ہے، اسی طرح ہمیں مذکورہ بالا چار بُنیادوں پر غور وفکر کرنے کے بعد کوئی تبدیلی کرنا چاہیے جس کی شریعت میں گنجائش بھی ہے اور حنفی مسلک بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔ ائمۂ کرام اکٹھی تین طلاقیں دینے کو معصیت اور گناہ بھی بتلاتے ہیں اور ہمارے حالات شدت سے متقاضی ہیں تو کیوں نہ اُن اقوال پر عمل کرلیا جائے جو شروع سے اہل سنت والجماعت کے ایک طبقے کا معمول رہا ہے۔

اب آئیے! سوالنامے میں درج شقوں کے مختصر جوابات بھی سماعت فرمائیے:

① طلاق، طلاق، طلاق تین دفعہ کہہ دینے سے اگر کہنے والے کی نیت ایک کی ہو اور اس نے محض تاکید کے لیے باقی دو دفعہ مزید کہہ دیا ہو یا باقی دو سے اُس نے کچھ بھی نیت نہ کی ہو، نہ تاکید کی نہ عدم تاکید کی تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں

علامہ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے کہ فاسق سے فاسق آدمی کا ارادۂ تاکید معتبر مانا جائے گا۔ یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ فَإِنَّ صَرِيحَ مَذْهَبِنَا تَصْدِيقُ مُرِيدِ التَّاكِيدِ بِشَرْطِهِ وَإِنْ بَلَغَ فِي الْفِسْقِ مَابَلَغَ. مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دارالعلوم دیو بند فرماتے ہیں:

''اگر عورت مدخول بہا ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن بتکرار لفظ تین مرتبہ طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانتاً قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اس میں اختلاف نہیں۔''[1]

علامہ ابن حزم کی کتاب محلی میں بالکل یہی الفاظ ہیں مگر اس میں دیانتاً کا لفظ اور حلف کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس کے ارادۂ تاکید کو معتبر مانا جائے گا۔ فرماتے ہیں:

«فَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوءَةٍ: أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، فَإِنْ نَوَى التَّكْرِيرَ (أَيِ التَّاكِيدَ) لِكَلِمَتِهِ الْأُولٰى وَإِعْلَامَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَّكَذٰلِكَ إِنْ لَّمْ يَنْوِ بِتَكْرَارِهِ شَيْئًا ـ فَإِنْ نَّوٰى بِذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ طَلْقَةٍ غَيْرُ الْأُخْرٰى فَهِيَ ثَلَاثٌ إِنْ كَرَّرَهَا ثَلَاثًا»

''اپنی مدخول بہا عورت سے کسی نے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ اگر اُس نے باقی دو سے تاکید کا یا نہ تاکید واخبار کا نہ عدمِ تاکید کا، کسی کا ارادہ نہ کیا تو ایک واقع ہوگی۔ لیکن اگر مطلب یہ تھا کہ ہر طلاق پہلے والی طلاق سے الگ ہے تو تین واقع ہوں گی۔''[2]

② یہی شکل مختلف فیہ ہے۔ احناف تین کے وقوع کے قائل ہیں اور عذر جہالت کو وہ معتبر نہیں مانتے اور علامہ ابن تیمیہ وابن قیم اور اہل حدیث حضرات جب تین کو تین سمجھ کر دینے والے کی

---

① روح المعاني :2/205وإقامة القيامة، ص: 75.

② المحلى لابن حزم:10/175.

...ق کو رجعی بتلاتے ہیں تو یہاں ارادہ بھی نفس طلاق کا تھا نہ کہ تین کا، لہٰذا اُن کے نزدیک ایک ہوگی۔

③ اہل سنّت والجماعت کا ایک طبقہ شروع ہی سے اس کے خلاف رہا ہے، لہٰذا اُمّت کا اجماع نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! اگر ہمارے بعض علماء ائمہ اربعہ کا اجماع بتاتے ہیں مگر یہ بھی مخدوش ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی جو عبارت ہم اوپر مقالے میں نقل کر چکے ہیں، اُس میں واضح طور سے یہ بات موجود ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول اور اصحابِ احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ہم غور وفکر کی پہلی بُنیاد میں اُن فقہاء کا نام لکھ چکے ہیں جو ایک طلاق رجعی ہونے کے قائل ہیں۔

④ ہمارے نزدیک مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ یہی ہماری رائے ہے جس کے دلائل اوپر نقل کر دیے گئے ہیں۔ [1]

مولانا سعید احمد اکبر آبادی (مدیر "برہان" دہلی)

یہ مولانا انور شاہ کشمیری کے تلمیذ رشید اور ہندوستان کے نہایت ممتاز علمائے احناف میں سے تھے۔ انھوں نے بھی اس مسئلے پر ایک مقالہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں پہلے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہی ہونے پر بحث کی ہے، پھر انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادی اور سیاسی فیصلے پر اور اس کی بنیاد پر ائمہ اربعہ کے اتفاق اور ان کے مسلک کا ذکر کر کے لکھا ہے:

"لیکن ہمارے نزدیک یہ ایک مسئلۂ مجتہد فیہا ہے اور اس کی بنا پر اس بات کی گنجائش ہے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے یا ایک ایمرجنسی پیدا ہو جانے کی صورت میں اس پر از سرِ نو نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔ یہ نظر ثانی جن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

✷ قرآن مجید میں تین طلاقوں کے بارے میں جو آیت ہے وہ اس بات میں نص قطعی ہے کہ طلاق مُغلّظہ اس وقت واقع ہوگی جبکہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے مختلف مجلسوں میں

---

[1] ملخص از "ایک مجلس کی تین طلاق" صفحہ: 19-37.

دی جائیں۔

* ﴿ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَانٍ ﴾ [1] سے ضمناً تیسری طلاق کے واقع کرنے میں قصد اور ارادے کا بھی اشارہ نکلتا ہے۔
* طلاق سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں جو تصریحات ہیں اُن سب کو یکجا طور پر پیشِ نظر رکھا جائے تو ان سے حسبِ ذیل اُمور پر روشنی پڑتی ہے۔

(ا) طلاق اگرچہ مباح اور مشروع ہے لیکن ابغض المباحات ہے اور نکاح میں اصل اس کی بقا ہے۔

(ب) طلاق اُس وقت دی جائے جب شوہر اور بیوی دونوں کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

(ج) طلاق سے قبل ایک پنچ (ثالث) کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دینا چاہیے۔

(د) طلاق واقع کرنے سے مرد کا مقصد عورت کو ستانا اور اُسے تکلیف دینا نہیں ہونا چاہیے۔

(ہ) طلاق حالتِ غضب میں نہیں دینی چاہیے۔ حافظ ابن قیم نے زادالمعاد 566/3 میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، آپ نے فرمایا:

«لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ»

ابو العباس المبرد نے الکامل میں اِغلاق کے معنی بیان کیے ہیں تنگ دلی، بے چینی، مجبوری، حافظ ابن قیم نے اس کے معنی غضب کے لیے ہیں۔ اس بنا پر اس ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہوا کہ غضب اور مجبوری کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ طلاق ہی نہیں ہے، چنانچہ امام مالک کا مذہب یہی ہے اور اس کی خاطر انھوں نے جو شدائد برداشت کیے ہیں وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

(و) طلاق کے بارے میں مرد کی نیت کا اعتبار ہونا چاہیے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں

---

[1] البقرۃ 229:2.

باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

«بَابُ الطَّلَاقِ فِي الإِغْلَاقِ وَالْكُرْهِ وَالسَّكْرَانِ وَالْمَجْنُونِ وَأَمْرِهِمَا وَالْغَلَطِ وَالنِّسْيَانِ فِي الطَّلَاقِ وَالشِّرْكِ وَغَيْرِهِمَا»

''باب زبردستی اور جبراً طلاق دینے کا حکم اسی طرح نشہ یا جنون میں دونوں کا حکم ایک ہونا یا بھول چوک سے طلاق دینا یا شرک کا کلمہ کہہ دینا......''

اور اس کے بعد حدیث نقل کی ہے:

« الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى»

''تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جیسے اس نے نیت کی۔''[1]

اب ذرا صرف ہندوستان اور پاکستان میں نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں ہر جگہ آج کل جو حالات پیش آ رہے ہیں اُن کا جائزہ لیجیے۔ وہ حالات یہ ہیں:

- آج کل مسلمان عام طور پر طلاق کے مسائل سے ناواقف ہیں اور وہ رجعیّہ بائنہ اور مُغلّظہ کے فرق کو نہیں جانتے، اس لیے جب کبھی غصے کی حالت میں ناراض ہو کر یا کسی اور سبب سے بیوی سے ترکِ تعلق کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو بے تکلّف طلاق کا لفظ دو تین مرتبہ بول جاتے ہیں۔
- لیکن جب غصہ فرو ہوتا ہے تو اُن کو اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے اور وہ عورت سے زوجیت کا تعلق پھر قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن اُن کو بتایا جاتا ہے کہ بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور اب وہ حلالے کے بغیر اُن کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔
- حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے، اس لیے مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتا اور یوں بھی ان کی غیرت اس کی

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق، قبل الحديث:5269.

اجازت نہیں دیتی۔

- شوہر ہزار کہتا ہے کہ مجھ کو نہ طلاق مُغلّظہ کا حکم معلوم تھا اور نہ میری نیّت یہ تھی۔ لیکن اُس کی کوئی شُنوائی نہیں ہوتی اور فیصلہ برقرار رہتا ہے۔
- اُس بدنصیب عورت کی جوانی کی عمر ڈھل چکی ہوتی ہے، اس لیے کچھ اس بنا پر اور کچھ طلاق سے داغ دار ہونے کے باعث اب اس کی کہیں شادی بھی نہیں ہو سکتی۔
- اُس عورت کے لیے گزر بسر کا ذریعہ بھی ایک نکاح تھا۔ اب جب یہ منقطع ہو گیا تو اُس کے لیے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ جب ایک انسان اس طرح معاش سے مجبور اور تنگدست ہوتا ہے تو پھر اُس سے کوئی گناہ مستبعد نہیں ہوتا۔
- علاوہ ازیں یہ معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہی نہیں بلکہ اُن کی اولاد بھی ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ اُن پر کیا گزرے گی؟ اور والدین کی باہمی مفارقت سے ان کے دل و دماغ پر نفسیاتی اخلاقی اور ذہنی اثرات کیا ہوں گے؟ اربابِ نظر پر یہ پوشیدہ نہیں ہے۔

غرض کہ یہ حالات ہیں جنھوں نے مُسلم سماج میں ایک عظیم تہلکہ برپا کر رکھا ہے۔ عالمِ اسلام کی عدالتوں کی روئداد ملاحظہ کیجیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس طرح کے افسوسناک واقعات اس کثرت سے روزانہ پیش آرہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ امن چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں اگر اُن کے عشرت کدوں تک اُن ہزاروں ستم رسیدہ و مظلوم انسانوں کی دادفریاد اور آہ و شیون نہیں پہنچ سکتی، تو کیا اسلام کے پاس بھی اُن کے لیے کوئی مدد نہیں ہے؟...... جواب یہ ہے کہ، ہے، اور لازمی طور پر ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِقدام سے یہ صاف ظاہر ہے کہ طلاق کے احکام میں اس قدر لچک ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے خاص حالات کی اصلاح کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی کسی آیت

منطوق حکم میں تقیّد اور تخصیص کا عمل کیا جا سکتا ہے، پس جب یہ ہوسکتا ہے تو اگر کسی زمانۂ مابعد میں کسی اور قسم کے ناگفتہ بہ حالات سماج میں پیدا ہو جائیں اور اُن کی اصلاح قرآن کے اصل منطوق کی طرف رُجوع کرنے سے ممکن العمل ہو سکتی ہے تو پھر اُس راہ کو اختیار کرنا کیوں بدرجۂ اولیٰ درست اور انسب نہ ہوگا؟ اس بنا پر طلاق سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور مذکورۃ الصدر تنقیحات کے پیشِ نظر موجودہ معاشرتی حالات میں ہمارے نزدیک علمائے مجتہدین کے لیے اس امر کی کافی گنجائش ہے کہ وہ حسب ذیل فیصلے کریں:

① تین طلاقیں جو ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں وہ ایک طلاق سمجھی جائے گی اور طلاقِ رجعیّہ ہوگی۔

② تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں تین لفظوں سے دی جائیں اور شوہر شدید غضب کے عالم میں ہو اور غصہ فرو ہونے کے بعد وہ یہ کہے کہ میں نے دوسری اور تیسری طلاق کے الفاظ پہلی ہی طلاق کو موکّد کرنے کے لیے کہے تھے یا بے سمجھے بوجھے غُصّے میں زبان سے نکل گئے تھے اور میں طلاق مُغلّظہ کے حکم سے ناواقف تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا۔ تو اِن سب صورتوں میں مرد کی تصدیق کی جائے۔ اسلامی شریعت کی درحقیقت اسپرٹ ہی یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو رشتۂ ازدواج کو قائم رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ ہاں! البتہ جب شوہر نے یہ ٹھان ہی لیا ہے کہ اُسے اِس رشتے کو منطقع کر دینا ہے تو اب مجبوری ہے۔

اب آئیے! جو حضرات مذکورہ بالا تین طلاقوں کو ایک طلاقِ رجعی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں اور اس کے شدید مخالف ہیں، اُن کے دلائل کا بھی جائزہ لیں۔ (اس کے بعد انھوں نے دعوائے اجماع کا جائزہ لیا ہے اور اس کی نفی کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں:)

''پس اوّل تو یہ دعویٰ کرنا ہی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا اور اگر یہ اجماع تھا بھی تو یہ اجماع سکوتی تھا جو مرتبے میں بہر حال اجماعِ تقریری

سے کم ہوتا ہے اور پھر یہ امر بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو اجماعی فیصلہ کسی خاص زمانے میں اُس وقت کے مخصوص حالات وظروف کی بُنیاد پر کیا گیا ہو، علمائے اُصولِ فقہ کے بیان کے مطابق جب تک وہ زمانہ اور اس کے وہ حالات باقی رہیں گے، اُس وقت تک اجماعی فیصلہ واجب العمل ہوگا لیکن جب وہ حالات بدل جائیں گے تو اب وہ اجماعی فیصلہ واجب العمل نہ رہے گا اور اُس کے بجائے نئے حالات اور نئے تقاضوں کی روشنی میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا۔

آج مسلمانوں کو یہی صورتِ حال درپیش ہے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا۔ یہ حالات ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔ ہر اسلامی ملک کے علماء ومفکّرین اُن پر غور وخوض کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے فیصلے کیے ہیں، چنانچہ مصر جو جامعہ ازہر کے باعث علومِ دینیہ واسلامیہ کا مرکز ہے اور جہاں اکابر علماء ومحققینِ اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، اُس کے اجلّہ علماء نے اِس خاص مسئلہ میں بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے، چنانچہ علاّمہ شیخ محمود شلتوت اپنے فتاوٰی میں صاف لکھتے ہیں:

«اَلطَّلَاقُ بِالثَّلَاثِ لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةً رَّجْعِيَّةً، وَّيَرُدُّ الرَّجُلُ زَوْجَهُ بِكَلِمَةِ الرَّجْعَةِ أَوْ بِالْمُخَالَطَةِ الْخَاصَّةِ»

''جو تین طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی اور مرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ خاص کے ذریعے سے واپس لے لے۔''[1]

علاّمہ سیّد رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں:

''بعض فقہاء اور دانشوروں نے ہماری حکومتِ مصر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تین طلاقوں کے مسئلے میں اصل کتاب وسنت کی طرف رُجوع کیا جائے جس کے دلائل

---

[1] فتاوٰی، ص:306.

سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اِن کے شاگرد علاّمہ ابن قیم نے نہایت بسط و تفصیل سے اپنی کتاب إعلام الموقعین، إغاثۃ اللھفان اور زاد المعاد میں بیان کیے ہیں اور پھر ان دونوں حضرات کی تائید و موافقت امام شوکانی، سید صدیق حسن اور دوسرے ہندوستانی علمائے متاخّرین نے کی ہے۔"[1]

چنانچہ اس سلسلے میں حکومت مصر نے ایک قانون بنایا ہے جو 10 مارچ 1929ء کو منظور کیا گیا یہ قانون طلاق سے متعلق ہے اور اس میں بہت سی دفعات ہیں۔ اسی کی دفعہ نمبر 3 میں ہے:

"وہ طلاق جس کے بعد اشارتاً یا لفظاً عدد ہوں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔"[2]

علاوہ ازیں عہدِ حاضر کے ایک اور جلیل القدر عرب عالم اور مُفسّر شیخ جمال الدّین القاسمی نے نہایت عمدہ کتاب الاستیناس لتصحیح أنکحۃ الناس کے نام سے لکھی ہے اور اس میں طلاق کے مسئلہ پر نہایت مفصل گفتگو کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں دفعۃً واحدۃً واقع کی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔

(منقول از "ایک مجلس کی تین طلاق")

مولانا سید حامد علی (سیکرٹری جماعت اسلامی، ہند)

اِن کا مقالہ بڑا مفصل ہے اور انھوں نے ان حضرات کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جو بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں۔ انھوں نے پہلے نمبر پر قرآنی آیت ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ سے استدلال کا محاکمہ کیا ہے، پھر ان احادیث کا جائزہ لیا ہے جن سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں، اس کے بعد دعوائے اجماع کی حقیقت واضح کی ہے جس کے مسئلہ زیر بحث

---

[1] تفسیر المنار: 683/9.

[2] حیاۃ شیخ الإسلام ابن تیمیۃ، از شیخ محمد بهجۃ البیطار، ص:66.

میں ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، پھر صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیثِ رکانہ رضی اللہ عنہ سے ایک مجلس تین طلاقوں کے ایک طلاق واقع ہونے کا اثبات کیا ہے۔ یہ پورا مقالہ جو ساٹھ صفحات پر محیط ہے، قابلِ مطالعہ ہے۔ ہم یہاں اس کا آخری حصہ پیش کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

''اوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ امت سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں دینے سے طلاقِ مُغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اس کے برعکس صحیح مسلم اور مسند احمد کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں، طلاقِ مُغلّظہ بائنہ نہیں ہے، وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ ائمہ اور علمائے حق کی عظیم اکثریت اگرچہ یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ طلاق، طلاق مُغلّظہ بائنہ ہے۔ لیکن علماء کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اس رائے کی قائل ہے کہ یہ طلاق طلاقِ مُغلّظہ بائنہ نہیں ہے اور یہی ہمارے نزدیک قول راجح ہے لیکن اس قول کو قولِ مرجوح بھی قرار دیا جائے، تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ کتاب وسنت کی رُو سے اس قول کے اختیار کیے جانے کی گنجائش ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ حالات وضروریات اور مصالح اُمّت کے تحت قولِ مرجوح پر فتویٰ دیا جائے۔ علمائے حق نے بارہا ایسا کیا ہے۔ اس وقت کے حالات میں مسلمانوں کا سب سے سنگین مسئلہ یہ ہے۔ اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاقِ مُغلّظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ نہ اجماعی ہے، نہ کتاب اللہ اور سُنّتِ ثابتہ کی رُو سے صریح ومنصوص۔ بلکہ اختلافی اور اجتہادی مسئلہ ہے، اس لیے اس میں قولِ مرجوح کو اختیار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ میں علمائے اُمّت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات وضروریات کے تحت اس مسئلے پر از سرِ نو غور فرمائیں اور ہزاروں لاکھوں خاندانوں کو تباہی سے بچائیں۔

میری ان معروضات سے سوال نمبر 3 اور نمبر 4 کا جواب تو واضح طور پر سامنے آ گیا ہے۔

میں پہلے اور دوسرے سوال کا جواب عرض کروں گا:

نمبر1: میرے نقطۂ نظر سے تو اس سوال کا جواب واضح ہے۔ طلاق، طلاق، طلاق کہے اور نیت ایک کی رکھے یا تین کی، اگر قائل نے یہ الفاظ ایک ہی مجلس میں کہے ہیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ نیت ایک کی ہو یا تین کی، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

حنفی نقطۂ نظر سے بھی اس صورت میں جبکہ طلاق دینے والا کہے کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی، میں نے تو صرف تاکید کے لیے تین بار طلاق کہا تھا۔ دیانتاً ایک ہی طلاق ہوگی مگر قضاءً تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ وقت آ گیا ہے کہ حنفی فقہاء دیانت اور قضاء کے اس فرق کو ختم کر کے نیّت کے مطابق فتویٰ دینے کا فیصلہ کریں۔

یہ بات تو عربی زبان کی ہے۔ جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے، یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ''طلاق، طلاق، طلاق یا طلاق دی، دی، دی یا طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔'' ان سب الفاظ کا استعمال تعداد کے لیے نہیں تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ جب تک کوئی واضح قرینہ تعداد کے لیے نہ ہو، ان الفاظ کو تاکید ہی پر محمول کرنا چاہیے اور نیت کی کھوج میں نہ پڑنا چاہیے۔ لیکن اگر طلاق دینے والا صراحتاً کہہ رہا ہے کہ اس کی نیّت ایک طلاق کی تھی تو لازمًا اس کی بات مان لینی چاہیے کیونکہ یہی بات ظاہرِ الفاظ کے بھی مطابق ہے۔

نمبر2: ہندوستان میں (اور پاکستان میں بھی) جہالت عام ہے۔ عوام ہی نہیں بہت سے وکلاء تک یہی سمجھتے ہیں کہ طلاق کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ تین طلاق کے الفاظ بولے یا لکھے جائیں۔ اِس صورت میں اگر کوئی شخص حلفیہ یہ بیان دیتا ہے کہ اس کی مراد تین طلاق کے الفاظ سے صرف طلاق دینے کی تھی، تعداد مراد نہ تھی تو اس کے بیان کو باور کر لینا چاہیے۔

جہاں تک میرے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، آدمی تین طلاق دے یا ہزار، اس سے طلاقِ مُغلّظہ بائنہ نہ پڑے گی، صرف ایک طلاق پڑے گی، خواہ وہ تین یا ہزار بار دینے کی نیت کرے یا اُس کا

مقصود صرف طلاق دینا ہو۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود نہ فتویٰ دینا ہے، نہ بحث ومناظرہ کا دروازہ کھولنا ہے۔ یہ اہل علم کے غور وفکر کے لیے بصد ادب پیش خدمت ہے، شاید اس سے انھیں اس پیچیدہ مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں کوئی مدد مل سکے۔"

(منقول از"ایک مجلس کی تین طلاق")

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (صدر آل انڈیا مسلم مجلسِ مشاورت)

مسئلہ زیر بحث کے حل کے لیے احمد آباد (بھارت) میں جو مجلس مذاکرہ 1973ء میں منعقد ہوئی تھی، اس کی صدارت حضرت مفتی صاحب مرحوم نے فرمائی تھی۔ آخر میں انھوں نے صدارتی خطبہ تقریر کی صورت میں ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ مجموعۂ مقالات کے آخر میں دیا گیا ہے۔

اس میں مفتی صاحب موصوف نے واضح طور پر تو کسی ایک رائے کا اظہار نہیں فرمایا لیکن اس میں انھوں نے ایک تو مسئلے کو اختلافی تسلیم کیا ہے۔ دوسرے، حنفی نقطۂ نظر کی وجہ سے عوام کو جو پریشانی لاحق ہوتی ہے، اس کا اعتراف کیا ہے۔ تیسرے، اس کا ایسا حل تلاش کرنے پر زور دیا ہے جس سے یہ معاشرتی پیچیدگیاں دور ہوں۔ چوتھے، اتفاقِ رائے پیدا کرنے پر زور دیا۔

مذکورہ نکتوں سے ان کا رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ علمائے احناف کو فقہی جمود کے بجائے وسعت نظر سے کام لیتے ہوئے اس مسئلے کا ضرور معقول حل تلاش کرنا چاہیے۔

ان کے خطبے کے ضروری اقتباسات حسبِ ذیل ہیں:

"اِس مذاکرے میں جو مقالات پیش کیے گئے ہیں وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ درجے کے مقالے ہیں۔ مقالہ نگار علمائے کرام نے نہایت محققانہ انداز میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ جہاں تک علمائے احناف کا تعلق ہے وہ ان مقالات کو پڑھ کر کیا رائے دیتے ہیں، اُس پر میں اِس وقت کچھ کہنے کے موقف میں نہیں ہوں۔

زمانے کی ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں سے قطعِ نظر کرکے غور کیا جائے تو طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے میں دو فقہی مسلک (Schools of thought) ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک فقہی مکتب وہ ہے جو یکجائی تین طلاقوں کو مُغلّظہ قرار دیتا ہے۔ لیکن دوسرا ایک کے وقوع کا قائل ہے۔ اوّل الذّکر کے سامنے جدید حالات وضروریاتِ زمانہ اور اس سلسلے کی دوسری مشکلات لاکھ بیان کریں لیکن وہ اپنے فیصلے میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ شوہر کو کس نے مجبور کیا تھا کہ تین طلاقیں دے۔ لیکن ہمیں اس وقت ان اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دیکھنا ہے کہ حکم اصلاً اس سلسلے میں کیا ہے۔

طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے پر سیمینار منعقد کرنا ایک نہایت جرأت مندانہ اقدام ہے جس کے لیے اسلامک ریسرچ سنٹر کے ارکان قابلِ مبارک باد ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور حالات وزمانے کی تبدیلی کے باعث اس کی وجہ سے مسلم معاشرے میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہورہی ہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ اس مسئلے پر مختلف مسالک کے علمائے کرام بیٹھ کر غور کریں اور اُن مشکلات پر قابو پانے کی کوئی سبیل نکالیں جن سے مسلمان دوچار ہیں۔

بمبئی میں جو بے مثال آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقد ہوا تھا اُس کے سامنے بھی یہ مسئلہ کسی نہ کسی حیثیت سے موجود تھا لیکن اُس وقت ہمیں صرف اس بات پر غور کرنا تھا کہ مسلم پرسنل لاء میں حکومت کو مداخلت یا ترمیم وتنسیخ کا حق ہے یا نہیں؟ لیکن اِس وقت تین طلاق کا مسئلہ اُبھر کر سامنے آگیا ہے اور جدید حالات کے کچھ تقاضے بھی سامنے آرہے ہیں، ان میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے، اس پر غور کرنا چاہیے اور مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک ریسرچ سنٹر نے یہ قدم اٹھا کر ایک راستے کی نشاندہی کردی ہے۔ میری یہ خواہش ہوگی کہ یہاں جو کچھ طے ہو وہ سب اٹھا کر پرسنل لاء بورڈ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ اسی طرح اتحاد وتعاون سے کوئی بڑا کام ہوسکتا ہے ورنہ انتشار پیدا کرنا تو آسان ہے، اتفاق ویکجہتی کی فضا

بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ اس سیمینار میں مختلف مکتبِ فکر کے لوگ شریک ہیں لیکن کوشش جائے تو ایک مشترک نقطۂ نظر سامنے آ سکتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے زمانے میں کچھ معاشرتی مسائل کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ مسلم عورتیں اپنے غیر مسلم آشناؤں کے ساتھ اسلام چھوڑ کر چلی جا رہی تھیں، اس لیے موصوف نے پیش آمدہ مسائل پر علماء سے مشورہ کیا اور الحیلة الناجزة'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں ان مسائل کا حل تجویز کیا گیا ہے۔

ہمارے علماء پوتے کی وراثت کے سلسلے میں تو کچھ توسع پیدا کرتے ہیں لیکن تطلیقاتِ ثلاثہ کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اِس پر اجماع ہے، لہٰذا ترمیم کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ اجماع اِس قسم کا نہیں ہے کہ اس کے بعد کلام کی گنجائش نہ ہو بلکہ یہ اجماع سکوتی ہے۔

نئے حالات ومسائل ہی نے فِقہ کی تدوین کا احساس دلایا تھا۔ مدینے میں تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کتاب وسنت کافی تھے، البتہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آگے بڑھے تو کُوفہ وبصرہ وغیرہ میں نئے حالات اور نئے مسائل سامنے آئے۔ چنانچہ علمائے مجتہدین نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور فقہ کی تدوین کی اور ساتھ ہی مختلف مسائل کی اصل اور نص واضح کی۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلے میں حنفی نقطۂ نظر یہ ہے کہ یکجائی تین طلاقیں تین ہی پڑیں گی۔ لیکن احناف کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ ایک سے زیادہ طلاق اگر تاکید کے لیے ہے یا نیّت تین دینے کی نہیں تھی تو تین واقع نہیں ہوں گی۔ فتاویٰ قاضی خان میں ''فاء'' کی بحث موجود ہے۔ یعنی فَأَنتِ طَالِقٌ کہنے کا طلاق پر کیا اثر پڑتا ہے۔ لوگ جہالت کی وجہ سے تین طلاق دے دیتے ہیں لیکن ان کی نیت تین کی نہیں ہوتی، اس لیے یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔ طلاقِ بدعی کو اُسوۂ حسنہ کی حیثیت نہیں دی جانی چاہیے، جو لوگ تین کے قائل ہیں اُن کے یہاں بھی ایسی شکلیں

کہ ایک کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ہمیں چاہیے کہ یہاں ہم جو بھی فیصلہ کریں، اتفاق رائے سے کریں۔''[1]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ

یہ تو تھے ہندوستان کے وہ علمائے احناف جنھوں نے اس موضوع پر منعقدہ مذاکرۂ علمیہ (سیمینار) میں مقالات کے ذریعے سے اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ان کی رائے آپ نے ملاحظہ فرمالی۔اب متحدہ ہند کے ایک بڑے عالم اور عظیم مفتی مولانا کفایت اللہ دہلوی اور ان کے ایک نائب کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔(ص۔ي)

ان کا ذکر پہلے بعض مضامین میں آچکا ہے اور ان کا فتویٰ بھی گزر چکا ہے کہ کسی سائل نے اسی طلاقِ ثلاثہ کے متعلق دریافت کیا تھا،سائل کے گاؤں میں ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک حنفی شخص نے تین طلاقیں دینے کے بعد کسی اہل حدیث عالم سے فتویٰ لے کر رجوع کر لیا۔اب گاؤں کے لوگوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا۔مفتی صاحب مرحوم نے حسبِ ذیل جواب دیا:

''ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے ضرور قائل ہیں کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس،عکرمہ اور ابن اسحاق سے منقول ہے،پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور مستحق اخراج از مسجد ہے۔ہاں!حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب

---

[1] ملخص از ''ایک مجلس کی تین طلاق'' نعمانی کتب خانہ، لاہور۔

ہوتو قابل درگزر ہے۔"[1]

مدرسہ امینیہ دہلی کا ایک اور فتویٰ

"اور بعض سلف صالحین اور علمائے متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں اگرچہ ائمہ اربعہ میں یہ بعض نہیں ہیں، لہٰذا جن مولوی صاحب نے مفتیٔ اہل حدیث پر جوفتویٰ دیا ہے، یہ غلط ہے اور مفتیٔ اہل حدیث پر اس اختلاف کی بنا پر کفر ومقاطعہ واخراج از مسجد کا فتویٰ غیر صحیح ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوفِ مفاسد کے اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک اس واقعہٴ مرقومہ میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے تو وہ خارج از مذہب حنفی نہ ہوگا کیونکہ فقہائے حنفیہ نے بوجہ شدتِ ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے۔"[2]

غیر منقسم ہندوستان میں مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم اور ان کے مدرسہ امینیہ کی جو حیثیت احناف کے ہاں تھی، وہ محتاج تعارف نہیں۔ یہ دو فتوے ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ ان سے ایک تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے۔ (جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے) بلکہ صحابہ و تابعین میں سے بھی کئی حضرات اس کے قائل تھے۔

دوسرے، اس مذہب کے اختیار کرنے والے پر نقد و جرح صحیح نہیں حتی کہ کوئی حنفی بھی اس پر عمل کر لے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں، چہ جائیکہ اہل حدیث حضرات کو اس مسئلے کی بنا پر اجماعِ امت کا منکر گردان کر انھیں امت اسلامیہ سے خارج کرنے کا فتوی داغ دیا جائے جیسا کہ بہت سے حضرات کرتے ہیں۔

تیسرے، اس فتویٰ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق صرف ائمہ اربعہ کے اندر منحصر نہیں ہے۔ ان

---

1. اخبار الجمعیۃ دہلی، 16 دسمبر 1931ء۔ محمد کفایت اللہ غفر اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔
2. دستخط حبیب المرسلین عفی عنہ، مہر دار الافتاء مدرسہ امینیہ دہلی، کتاب "ایک مجلس کی تین طلاق" ص: 31,30، طبع احمد آباد بھارت۔

کے علاوہ دوسرے مذاہب بھی صحیح ہیں کیونکہ ان کے مسائل قرآن وحدیث پر مبنی ہیں بالخصوص مذہب اہل حدیث۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ

غیر منقسم ہندوستان کی ایک فاضل شخصیت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی ہوگزری ہے، ان کی ایک رائے عمدۃ الرعایۃ کے حواشی کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ آگے ان کے دو فتوے مولانا پیر کرم شاہ ازہری کے مضمون میں آ رہے ہیں جس میں انھوں نے شدید ضرورت کے تحت ایک طلاق والے فتوے کے مطابق عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس عمل کو تقلید کے منافی بھی ماننے سے انکار کیا ہے۔

مولانا وحیدالدین خان (بھارت) کا تجویز کردہ حل

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے دو حل مولانا وحیدالدین خان صاحب نے بھی پیش کیے ہیں، پہلا حل وہی ہے جو اہل حدیث کا مسلک ہے اور بہت سے علمائے احناف اس کو اپنانے پر زور دے رہے ہیں۔ مولانا وحیدالدین صاحب نے بھی اس حل کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”راقم الحروف کے نزدیک موجودہ حالت میں اس معاملے میں ہمارے لیے دو میں سے ایک طریقے کا انتخاب ہے۔ ایک یہ کہ جب ایک شخص فوری جذبہ کے تحت طلاق طلاق طلاق کہہ دے تو اس کو شوہر کی طرف سے غصہ پر محمول کیا جائے، یعنی یہ سمجھا جائے کہ شوہر نے شدت اظہار کے طور پر اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، حالانکہ اس کا مقصد تکمیلی طلاق دینا نہ تھا بلکہ صرف طلاق دینے کے ارادے کا شدید انداز میں اظہار کرنا تھا۔ یہ تہدید وتشدید کا معاملہ تھا نہ کہ حقیقتاً تطلیق ثلاثہ کا۔ اس صورت میں یہ کیا جائے گا کہ شوہر سے یہ کہا جائے گا کہ تمھاری تین طلاقیں عملاً

پہلے مہینے کی ایک طلاق قرار دی جاتی ہے۔ اب تم کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو رجوع کرلو اور اگر تم تفریق کے ارادے پر قائم ہو تو قرآنی طریقے کے مطابق اگلے مہینے تم دوسری طلاق دو، اور اگر اس کے بعد بھی تفریق کا ارادہ باقی رہے تو تیسرے مہینے تم طلاق کے عمل کی تکمیل کرکے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرسکتے ہو۔

اس معاملے میں دوسرا ممکن طریقہ ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم سنت فاروقی کو اپنے زمانے کے لحاظ سے اختیار کریں، یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دے کر عورت اور مرد کے درمیان تفریق کرادیں مگر اس صورت میں لازمی طور پر ہمیں سنت فاروقی کے مطابق یہ کرنا ہوگا کہ اس مزاج کی حوصلہ شکنی کے لیے شوہر کو سخت سزا دیں۔ موجودہ قانونی نظام کے تحت غالباً یہ ممکن نہیں کہ ایسے شوہر کو کوڑے مارنے کی سزا دی جائے مگر اس کا ایک بدل یقینی طور پر ممکن ہے اور وہ یہ کہ علمائے ہند نے جس طرح شاہ بانو بیگم کے مشہور کیس میں حکومت ہند سے مطالبہ کرکے پارلیمنٹ سے ایک قانون بنوایا تھا، اسی طرح اس معاملے میں بھی حکومت سے مطالبہ کرکے ہندوستانی پارلیمنٹ سے ایک قانون منظور کرایا جائے۔ اس قانون میں یہ طے کیا جائے کہ جو مسلمان ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے گا تو اس کی طلاق تو واقع کردی جائے گی مگر اسی کے ساتھ شوہر کو اپنے اس غیر شرعی فعل کی سخت سزا بھی بھگتنی ہوگی۔

راقم الحروف کے نزدیک وہ سزا یہ ہونی چاہیے کہ جس شوہر نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کا غیر شرعی فعل کیا ہے، اس سے جرمانے کے طور پر بھاری رقم وصول کی جائے اور یہ پوری رقم مطلقہ عورت کو دے دی جائے۔ بالفرض اگر یہ شوہر نقد رقم دینے کی پوزیشن میں نہ ہو تو اس کو طویل مدت کے لیے قید بامشقت (Rigorous Imprisonment) کی سزا دی جائے۔ اس معاملے میں مانع جرم سزا

(Punishment deterrent) ضروری ہے۔ اس سے کم کوئی سزا اس معاملے میں مفید نہیں ہوسکتی۔"[1]

مولانا سید سلمان الحسینی الندوی (بھارت)

اجتہادی اختلافات میں معاشرتی مصالح کی رعایت: شادی، خانہ آبادی کے لیے کی جاتی ہے، خانہ خرابی یا محض عیاشی اور لذت کوشی کے لیے نہیں، اس لیے بغیر کسی وجہ شرعی کے طلاق دینا فعل حرام ہے۔ طلاق صرف اس وقت دینی چاہیے جب ساتھ رہنا دوبھر ہو جائے اور طلاق نہ دینے میں خطرات اور فتنے کا اندیشہ ہو۔ اس صورت حال کے لیے طلاق جیسی ناپسندیدہ چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ لیکن پاکی کی حالت میں صرف ایک طلاق دے دینی چاہیے اور پھر عدت گزر جانے پر دینی چاہیے۔ طلاق غصے میں، اشتعال میں اور جذبات میں نہیں دینی چاہیے، غصے پر قابو پانا چاہیے اور ہر حال میں تعلقات کو خوش گوار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تین طلاقیں ایک وقت میں ہرگز نہیں دینی چاہئیں۔ تین طلاقیں اگر ایک مجلس میں دے دی گئیں تو وہ ایک شمار ہوتی ہیں یا تین ہی، ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض احادیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی روشنی میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو چاروں ائمہ نے تین طلاقیں ہی قرار دیا ہے جن کے بعد حق رجوع نہیں رہتا۔ لیکن اصلاً بہت سے مردوں کی طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں غیر محتاط روش کی بنیاد پر تین طلاقوں کو نافذ کر کے ان کو سزا دینا مقصود تھا۔ اس معاشرے میں بیوہ کی شادی کوئی دشوار مسئلہ نہ تھی، نہ لڑکی والوں کو کچھ خرچ کرنا پڑتا تھا، اس لیے اس فیصلے کے نفاذ میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحیثیت امیر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بحیثیت خلیفۃ المسلمین فرمایا تھا، مرد کے لیے ایک طرح کی تعزیر (قانونی سزا) تھی۔ دوسری طرف آج مرد کے طلاق ثلاثہ

---

[1] منقول از ماہنامہ الشریعة گوجرانوالا، جون 2005ء، ص:42,41.

کے گناہ کا زیادہ تر بھگتان عورت کو بھگتنا پڑتا ہے۔عورت جہیز لاتی ہے، گھر بسانے کا ذریعہ ہے، تقریب نکاح کے موقع پر اس کے یہاں ولیمہ کی طرح دعوت ہوتی ہے، مرد سب کچھ حاصل کرتا ہے، مہر بھی معاف کرا لیتا ہے، ایک ولیمے پر لذت کوشی کرتا ہے، پھر غصے اور اشتعال میں تین طلاق دے کر الگ ہو جاتا ہے، دوسری شادی رچا لیتا ہے۔عورت بیوہ ہو جاتی ہے۔ شادی کی نہ خود ہمت کرتی ہے، نہ معاشرہ اس کی شادی کا فوری انتظام کرتا ہے اور اگر اس کے بچے ہیں تو شادی کا مسئلہ تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔اس کے بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے۔ دین کے بارے میں جزوی حل پیش کرنے والے مفتی فتوی دے کر الگ ہو جاتے ہیں۔ مطلقہ عورت عمر بھر کڑھتی اور اپنے جائز تقاضوں کو دبا کر زندگی گزارتی ہے۔ دین وعفت کی مضبوط حصار ہے تو سینے میں غم اور کسک لے کر جیتی ہے ورنہ دین وعفت سے معافی مانگ لیتی ہے۔

ایسی شکل میں علماء اور اہل افتاء وقضاء کو سوچنا چاہیے کہ عرف، عموم بلوٰی، ضرورت، اضطرار، حاجت، رفع حرج، تیسیر اور رخصت کی ترازو میں تول کر اس کا مسئلہ حل کریں اور ایک نزاعی مسئلے میں جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے درمیان اور بعد کے علمائے امت کے درمیان اختلاف رہا ہے اور جو کفر وایمان کا مسئلہ نہیں ہے۔ایک ہی پہلو پر شدت کا مظاہرہ نہ کریں۔

دوسری طرف بعض احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور علمائے امت کے اقوال ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق مانتے ہیں۔ یہ بھی ایک رائے ہے۔ اہل حدیث حضرات آج اس کے پر زور نمائندے بنے ہوئے ہیں۔ اس میں حرج نہیں کہ علمی اختلاف رکھنے والے اپنے اختلاف کو علمی حدود میں علم کی میز پر بیان کریں، لیکن کسی اختلافی مسئلے کو امت میں تفریق اور گروہ بندی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفۃ المسلمین ایک فیصلہ فرمایا تو مسلمانوں نے ان سے اتفاق

ہے۔ جس کو بھی اختلاف ہوا، اس نے اپنے اختلاف کو اپنے تک محدود رکھا۔ آج ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کو ایک وقعت، وقار اور اعتبار حاصل ہے۔ وہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا ایک مظہر اور ان کی اعتباری قوت حاکمہ کا نمائندہ ہے۔ اگر ایک اختلافی مسئلے میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، ارکان، علماء کی اکثریت کی آراء کی بنیاد پر ایک فیصلہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی بقا اور ان کی وحدت کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں اس رائے کا ساتھ دینا ہے۔ ہاں! انفرادی طور پر اور خاص واقعات میں ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ عوام کے لیے اور خاص طور پر عورتوں کے طبقے کے لیے شریعت کی دی ہوئی رخصتوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور ایسے معاملات میں اگر کوئی مفتی خود فیصلہ نہیں کر پاتا تو اہل حدیث علماء سے رجوع کرنے کی اجازت دی جائے۔[1]

---

[1] ماہنامہ الشریعۃ شمارہ:33۔ مارچ 2005ء۔

اسلام کا قانون طلاق

الطاف احمد اعظمی (بھارت)

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے قانون طلاق کو موجودہ دور کے جملہ قوانین طلاق پر برتری حاصل ہے۔اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ اول الذکر وحی پر مبنی قانون ہے، یعنی اس کا ماخذ خدائے علیم وخبیر کی ذات ہے جس میں کوئی تبدیلی اور تغیر ممکن نہیں، اور اسی کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق اس جہان آب وگل کی ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے طبعی وظائف انجام دے رہی ہے اور اس میں حد درجہ توافق وسازگاری ہے، کہیں معمولی قسم کا بھی کوئی اختلاف ونزاع نہیں ہے، سب موجودات کی جبینِ نیاز اس حاکم مطلق کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرا قانون وہ ہے جس کا ماخذ انسان کا ذہن ہے جو اپنے تمام حیرت انگیز کمالات کے باوجود بہرحال نقص وتغیر کے عیب سے خالی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ارتقائی عمل رکھتا ہے، یعنی نقص سے گزر کر کمال تک پہنچتا ہے اور یہ کمال بھی اضافی ہے، مستقل اور قائم بالذات نہیں ہے۔ ایک خاص وقت اور زمانے میں جو چیز اکمل وکامل سمجھی جاتی ہے، وہ آگے چل کر حالات کے تغیر کے ساتھ ناقص بن جاتی ہے۔ اس کا اطلاق انسان کے وضع کردہ قوانین پر بھی ہوتا ہے،

وہ کسی دور میں بنایا گیا ہو اور اس کے بنانے والے کتنے ہی جلیل القدر ماہرین قانون ہوں۔ لیکن اس واضح حقیقت کے باوجود کیا سبب ہے کہ تقریباً ہر دور میں اللہ کے قانون کے مقابلے میں انسانی قانون کو ترجیح دی گئی ہے اور آج بھی یہ صورت برقرار ہے۔ اس کی وجہ راقم سطور کے نزدیک یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایک مختصر وقت کے بعد اللہ کا قانون اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہا، اس میں تاویل وتفسیر کی شکل میں انسانی ذہن شامل ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے کلی قوانین کے مقابلے میں فقہاء کے وضع کردہ جزوی قوانین پر زیادہ توجہ مرکوز ہو گئی اور انھیں کلی اصولوں کی طرح غیر متغیر سمجھ لیا گیا جیسا کہ اس وقت اسلامی قوانین کا حال ہے، اور اس کا قانون طلاق بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اللہ کا کلی قانون کچھ اور تھا اور تقلید پرست اور جزئیات کے دل دادہ علماء وفقہاء کی قیل وقال نے اس کو کچھ اور بنا دیا ہے جیسا کہ آگے قارئین پڑھیں گے۔

نکاح کی حیثیت

اسلام کی نظر میں نکاح کی حیثیت غیر معمولی ہے اور اس کو میثاق غلیظ، یعنی پختہ عہد سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ ﴾

”اور وہ (منکوحہ عورتیں) تم سے میثاق غلیظ (پختہ عہد) لے چکی ہیں۔“[1]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح دراصل ایک سماجی معاہدہ ہے جس کے دو فریق ہیں، مرد اور عورت۔ اسلام میں معاہدے کی پابندی پر بہت زور دیا گیا ہے، خواہ یہ معاہدہ دو افراد کے درمیان ہو یا دو قوموں کے درمیان، اور خواہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہو۔ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات پر مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں اور اس

---

[1] النسآء 4:21.

کو توڑنے سے گریز کریں، مثلاً: ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝﴾

''اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔''[1]

قرآن مجید میں متقین کی جن اہم صفات کا ذکر ہوا ہے، ان میں ایک اہم صفت عہد کی پابندی ہے، فرمایا گیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝﴾

''اور وہ (اپنے پاس رکھی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد و پیماں کا خیال رکھنے والے ہیں۔''[2]

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

''ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اس کی خلاف ورزی سے بچا تو بے شک اللہ ایسے ہی خدا ترسوں کو پسند کرتا ہے۔''[3]

اگر یہ عہد و پیمان کفار اور مسلمانوں کے درمیان ہو تب بھی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اس کی پاسداری کریں اور اس کو ناحق توڑنے سے بچیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ﴾

''مشرکین کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے (قابل لحاظ) رہے گا سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے، پس جب تک وہ تم سے سیدھی طرح (معاہدے پر قائم) رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح (معاہدے پر قائم) رہو۔''[4]

---

[1] بنیٓ إسرآءیل 17:34. [2] المؤمنون 8:23. [3] آل عمران 76:3. [4] التوبة 7:9.

یہودی قوم جس وجہ سے اللہ کی نظر میں مبغوض ٹھہری، ان میں سے ایک بڑی وجہ ان کی عہدشکنی ہے۔قرآن مجید میں اس قوم کی عہد شکنی کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے، مثلاً :ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم ﴾

''اور جب بھی ان لوگوں نے کوئی عہد و پیاں کیا تو ان کے کسی فریق نے اس کو ضرور پس پشت ڈالا ہے۔''[1]

تحفظ نکاح

آیات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ اسلام کی نظر میں عہد و پیاں کی غیر معمولی اہمیت ہے اور عہد شکنی کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ نکاح جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ایک معاہدہ ہے جو زوجین کے درمیان ان کی باہمی رضا مندی سے طے پاتا ہے۔ یہ معاہدہ ایک خاندان (فیملی) کی بنیاد ڈالنے اور مل جل کر ازدواجی زندگی گزارنے سے متعلق ہوتا ہے جس طرح دوسرے سماجی معاہدات مختلف اسباب سے ٹوٹ جاتے ہیں، اسی طرح معاہدۂ نکاح کا ٹوٹ جانا بھی عین ممکن ہے لیکن۔ دوسرے سماجی معاہدات، مثلاً: معاہدۂ بیع وشراء کے مقابلے میں معاہدۂ نکاح کا ٹوٹ جانا اپنے نتائج واثرات کے لحاظ سے ایک خطرناک چیز ہے۔ اس لیے اسلامی شریعت نے اس معاملے میں غایت درجہ حزم واحتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی ہے، چنانچہ اسلامی شریعت نے ان تمام ضروری احتیاطی تدابیر کو بیان کیا ہے جن سے نکاح کا تحفظ ہو اور طرفین میں اختلاف و نزاع واقع نہ ہو۔ ان احتیاطی تدابیر کو ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

* اسلام اپنے ماننے والوں کو جن میں مرد اور عورت، دونوں شامل ہیں، ہدایت کرتا ہے کہ وہ شادی سے پہلے خوب غور وفکر کر لیں اور جن امور کی تفتیش و تحقیق ضروری ہو، ان کی خوب اچھی

---

[1] البقرۃ 100:2.

طرح تحقیق کرلیں، یہاں تک کہ اگر مرد اپنی زیر تجویز بیوی کو دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو شریعت اجازت دیتی ہے کہ وہ اس کو کسی عمدہ بہانے سے دیکھ لے۔ یہی اختیار لڑکی کے ولی کو دیا گیا ہے اور اس کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر شادی نہ کی جائے۔ اگر کسی لڑکی کا نکاح حد بلوغ کو پہنچنے سے پہلے کر دیا گیا ہے تو اسلامی شریعت اس کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ بلوغت کی منزل میں قدم رکھتے ہی اگر چاہے تو اس نکاح کو ختم کردے۔ معلوم ہوا کہ طرفین کی مرضی کے بغیر اسلام میں نکاح ممنوع ہے۔

لیکن موجودہ مسلم معاشرے میں نکاح کے اس زریں اسلامی اصول کو جس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ سب پر عیاں ہے۔ یہ امر نہایت برا سمجھا جاتا ہے کہ مرد کسی بہانے سے اس لڑکی کو دیکھ لے جو اس کی شریک حیات بننے والی ہے۔ اسی طرح عورت سے اس کی مرضی معلوم کرنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، چنانچہ آج بہت سی شادیاں طرفین کی رضامندی کے بغیر انجام پاتی ہیں۔ یہ غیر اسلامی رواج ان مسلمانوں میں زیادہ ہے جو غیر تعلیم یافتہ ہیں یا رواجی مذہب کے دلدادہ ہیں۔ اس طرح کی شادیاں بسا اوقات زوجین کے لیے غیر مفید بلکہ تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر مذکورہ اسلامی اصول کی پیروی کی جائے تو تحفظ نکاح آسان ہوگا۔

✱ کوئی مرد یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس میں سب خوبیاں ہیں، عیب ایک بھی نہیں ہے، اور نہ کوئی عورت اس بات کی مدعی ہوسکتی ہے، اس لیے معاشرتی زندگی کا ایک سنہرا اصول یہ ہے کہ خامیوں سے صرف نظر کیا جائے اور خوبیوں پر نظر رکھی جائے، اسی صورت میں عائلی زندگی کی گاڑی صحیح خطوط پر چل سکتی ہے۔

زوجین کے درمیان خوش گوار تعلقات کے قیام کے لیے مذکورہ اصول کی پیروی نہایت ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ مرد اور عورت اپنی نفسیات اور طبائع کے اعتبار سے ایک دوسرے

ے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ کمال علم وقدرت ہے کہ اس نے ضدین میں نہ صرف اتحاد پیدا کر دیا بلکہ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لیے ناگزیر سماجی ضرورت بن گیا ہے۔ ان میں اسے کوئی ایک فریق دوسرے فریق کو نظر انداز کر کے کبھی خوش گوار زندگی نہیں گزار سکتا۔ ضدین کے اس اتحاد کو قرآن مجید میں وجود باری تعالیٰ کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھارے نفسوں (تمھاری جنس) سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[1]

اس اتحاد میں بھی اختلاف کا فطری عنصر بہر حال موجود ہوتا ہے۔ اس لیے فریقین پر واجب ہے کہ وہ ہر حال میں فطرت کے اس اختلاف پر نظر رکھیں اور اس کو اس کی فطری حد سے کبھی آگے بڑھنے نہ دیں۔ مرد ہمیشہ سوچے کہ اگر اس کی بیوی کے اندر کوئی کمی یا خامی ہے تو اس میں کوئی خوبی بھی ضرور ہوگی اور عجب نہیں کہ جو کمی ہے وہ اس کے حق میں باعث خیر ہو۔ اس حکیمانہ پہلو کی طرف قرآن مجید میں ان لفظوں میں مردوں کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝﴾

''بیویوں کے ساتھ بھلے ڈھنگ سے زندگی گزارو اگرچہ وہ تم کو ناپسند ہوں۔ عین ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کوئی بڑی منفعت

---

[1] الروم 21:30.

رکھ دی ہو۔"[1]

✸ طلاق کے اسباب میں دو سبب کثیر الوقوع ہیں، ایک مرد کی جانب سے عورت کے نان و نفقہ کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ حسن سلوک میں کمی یا اس کا فقدان، اور دوسرا عورت کی زبان درازی اور نافرمانی، چنانچہ قرآن مجید میں مردوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ خوش اطواری کے ساتھ زندگی گزاریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾

"اور تم ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرو۔"[2]

ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرو اور لڑائی جھگڑے کے بجائے صلح جوئی کی روش اختیار کرو، فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○﴾

"اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بے پروائی کا قطعی احتمال ہو تو اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں باہم صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے۔ اور طبیعتوں میں حرص پیوستہ ہے۔ اگر تم (اپنی عورتوں کے ساتھ) اچھا برتاؤ کرو گے اور برے سلوک سے بچو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تمھارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔"[3]

اس طرح عورتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کریں۔ قرآن میں انھی عورتوں کو صالح کہا گیا ہے جو اپنے شوہروں کی بات مانتی ہیں اور اپنی عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرتی ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

---

[1] النسآء 4:19. [2] النسآء 4:19. [3] النسآء 4:128.

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ﴾

''پس نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں، اللہ کی حفاظت کے سبب وہ پیٹھ پیچھے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔''[1]

آج کل بہت سی جدید تعلیم یافتہ خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ شوہروں کی اطاعت کا حکم دے کر اسلام نے ان کا مرتبہ کم کر دیا ہے، حالانکہ کم نہیں کیا بلکہ بڑھایا ہے۔ فیملی کی حیثیت ایک ادارے کی سی ہے اور دوسرے سماجی ادارات کی طرح یہاں بھی ضروری ہے کہ ایک منتظم ہو جس کی بات مانی جائے۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ یہ حیثیت مرد کو حاصل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد ڈکٹیٹر بن جائے، فیملی کے منتظم ہونے کی حیثیت سے یہ بات اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اس کے حقوق کسی لیت ولعل کے بغیر ادا کرے۔ اس حسن سلوک اور خبر گیری کے عوض میں عورت کے ذمّے شوہر کی اطاعت ہے۔ اگر ایک فریق نے بھی اپنے فرائض سے پہلو تہی کی تو پھر ازدواجی زندگی کا قیام واستحکام ناممکن ہے۔ خاندان کی بقا کا تقاضا ہے کہ فریقین اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دیں۔ طلاق کی نوبت آتی ہی اس وقت ہے جب کسی فریق کی جانب سے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی سرزد ہوتی ہے۔

قبل طلاق کے مراحل

مسلمانوں میں ان کی نادانی اور علماء کی غلط رہنمائی کی وجہ سے یہ غلط رواج عام ہوگیا ہے کہ فوراً ہی طلاق دے دی جاتی ہے، یہ اسلام کے قانون طلاق کی صریح خلاف ورزی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ اگر یہ فعل کسی حقیقی اسلامی ریاست میں واقع ہو تو طلاق دینے والا سخت سزا پائے گا۔ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس کے قانون

---

[1] النسآء 4:34.

طلاق میں تدریج کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو طلاق چاہتا ہے تو اس کو اس عمل سے پہلے چند مراحل سے گزرنا ہوگا، اس کے بعد ہی طلاق کا مرحلہ آئے گا۔ ان تدریجی مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے:

✷ عورتوں کے احساسات و جذبات بڑے نازک ہوتے ہیں، وہ نازک آبگینے کی مانند ہیں کہ ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا، یہی وجہ ہے کہ عورتیں معمولی معمولی باتوں پر بہت جلد برافروختہ ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات ان کی یہ برافروختگی شوہر کی نافرمانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ عورتوں کی اس فطری کمزوری کی وجہ سے قرآن مجید میں مردوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اگر عورتیں نافرمانی کریں تو مشتعل نہ ہوں اور ردعمل میں کوئی عاجلانہ فیصلہ نہ کر بیٹھیں بلکہ صبر سے کام لیں۔ مردوں کی دانائی اس میں ہے کہ وہ ان کے ساتھ دل داری کا معاملہ کریں اور محبت سے سمجھائیں۔ اگر اس کے باوجود وہ نافرمانی سے باز نہ آئیں تو ان کو خواب گاہ سے علیحدہ کر دیا جائے، یہ تدبیر بھی ناکام ہو جائے اور وہ عدم تعاون کی روش نہ چھوڑیں تو پھر بادل نخواستہ ان کو جسمانی سزا دی جائے،[1] شاید اس طرح وہ رجوع کر لیں اور طلاق کی نوبت نہ آئے۔

بہت سی عورتیں اور بعض مرد بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے نافرمان عورتوں کو جسمانی سزا کا حکم دے کر ان کی سخت توہین کی ہے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے، انھوں نے اس سزا کو اس کے مخصوص محل سے الگ کر کے دیکھا، اس لیے اس سزا کی حکیمانہ مصلحت وہ سمجھ نہیں سکے۔ قرآن مجید نے یہ سخت سزا اس لیے تجویز کی ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس نے خاندان کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے اس آخری اور بظاہر ناپسندیدہ تدبیر کو بھی اختیار کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں طلاق کس درجہ ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس نے یہ تو گوارا کر لیا کہ نافرمان عورت کو جسمانی سزا دی جائے لیکن اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ اس عورت کو چھوڑ دیا

---

[1] النسآء 34:4.

ئے اور اس کی نادانی کی وجہ سے خود اس کا اور اس کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے۔

اس کے علاوہ جسمانی سزا کا حکم اس صورت میں دیا گیا ہے جب پہلی دو صورتیں (افہام اور خواب گاہ سے علیحدگی) ناکام ہو جائیں، ان تدابیر کی ناکامی اس امر کا ثبوت ہو گا کہ عورت کے اندر منفی داعیات بہت سخت ہیں۔ ایک نارمل عورت کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ شوہر اس سے تعلق زن وشو ختم کر لے لیکن اگر کوئی عورت یہ سزا بھی جھیل جاتی ہے اور نافرمانی کی روش نہیں چھوڑتی تو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی فطرت میں سرکشی ہے لیکن اسلام اس سرکش عورت کو بھی چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کو راہ راست پر لانے کے لیے جسمانی سزا تجویز کرتا ہے تاکہ وہ نافرمانی کی راہ چھوڑ دے اور شوہر کی مطیع وفرماں بردار بن جائے اور اس طرح وہ طلاق کے تباہ کن نتائج سے محفوظ ہو جائے۔

لیکن اگر جسمانی سزا بھی بے اثر ثابت ہو اور عورت بدستور نشوز (نافرمانی وسرکشی) کی روش اختیار کیے رہے تو ہر منصف مزاج شخص کا یہی فیصلہ ہو گا کہ اب طلاق کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ لیکن اسلامی قانون کی خوبی دیکھیں کہ وہ اب بھی توقف اختیار کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مرد اور عورت، دونوں کے خاندان سے ایک ایک فرد بطور حَکَم لیا جائے اور ایک فیملی کورٹ بنائی جائے، یہ کورٹ اس بات کی حتی المقدور کوشش کرے کہ طرفین میں مصالحت ہو جائے اور طلاق واقع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ صدق دل سے باہم ملنا چاہیں گے تو وہ ان میں اتحاد پیدا کر دے گا۔[1]

اگر فیملی کورٹ بھی فریقین کے درمیان صلح کرانے میں کامیاب نہ ہو تو اس وقت اسلام مرد اور عورت، دونوں کو جدا ہو جانے کا اختیار دیتا ہے، مرد کو یہ اختیار طلاق کی صورت میں اور عورت کو خلع کی شکل میں حاصل ہے۔

---

[1] النسآء 4:35.

قانون طلاق

* قرآن مجید کی ایک سے زیادہ سورتوں میں اسلام کے قانون طلاق کا ذکر آیا ہے، مثلاً:
سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

”طلاق دو مرتبہ ہے، پھر روک رکھنا ہے دستور کے مطابق یا چھوڑ دینا خوش اسلوبی کے ساتھ۔ اور تمھارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (وقت رخصت) اس (مہر) میں سے کوئی چیز بھی واپس لو جو تم نے ان کو دی ہے مگر اس وقت جب میاں بیوی کو احتمال ہو کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، اور تم کو بھی (اے مسلمانو!) یہ اندیشہ ہو کہ وہ

دونوں اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو عورت (خلع کے) فدیے میں دے یہ حدود اللہ ہیں، ان حدود سے ہرگز تجاوز نہ کرو۔ اور جو شخص حدود اللہ سے تجاوز کر جائے تو ایسے ہی لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، پھر اگر کسی نے (تیسری مرتبہ) عورت کو طلاق دے دی تو اب وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے، پھر اگر یہ (دوسرا) خاوند اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دوبارہ مل جائیں بشرطیکہ دونوں حدود اللہ کو قائم رکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اللہ ان (حدود) کو ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو اہل دانش ہیں۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق ان کو رخصت کر دو، ان کو ستانے کی غرض سے ہرگز نہ روکو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور اللہ کے احکام کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کرو۔ اور جو نعمتیں اللہ کی تم پر ہیں، ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور حکمت کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے جس کے ساتھ وہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔ اللہ (کے احکام کی خلاف ورزی) سے ڈرو اور یقین رکھو کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ اپنی میعاد (عدت) پوری کر لیں تو تم ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ دستور کے مطابق باہم رضا مند ہوں۔ اس بات کی نصیحت تم میں سے ہر اس شخص کو کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس نصیحت کو قبول کرنا تمھارے لیے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ اور اللہ (اس قانون کی حکمت کو) جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔''[1]

---

[1] البقرة 2:229-232.

ان آیات کی روشنی میں اسلام کے قانون طلاق کی درج ذیل اہم خصوصیات کا علم حاصل ہوتا ہے:

✵ اسلام کے قانون طلاق کی پہلی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں طلاق دینے اور اس کے واقع (operational) ہونے میں تین ماہ کا فصل رکھا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾

''اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔''[1]

اس کے علاوہ شوہر کے حق رجعت کو دو طلاقوں تک محدود کیا گیا ہے جیسا کہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ....﴾ کے جملے سے واضح ہے لیکن بہت سے علماء وفقہاء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ طلاق دو مجلس یا دو الگ الگ طہر میں دی جائے۔ مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''﴿مَرَّتٰنِ﴾ کے لفظ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ دو طلاقیں بیک وقت اور بیک لفظ نہ ہوں بلکہ دو طہروں میں الگ الگ ہوں۔ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ سے بھی دو طلاق کی اجازت ثابت ہو سکتی تھی مگر ﴿مَرَّتٰنِ﴾ ایک ترتیب وتراخی کی طرف مشیر ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ دو طلاقیں ہوں تو الگ الگ ہوں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ کوئی شخص کسی کو دو روپے ایک دفعہ دے دے تو اس کو دو مرتبہ دینا نہیں کہتے۔ الفاظ قرآن میں دو مرتبہ دینے کا مقصد یہی ہے کہ الگ الگ طہر میں دو طلاقیں دی جائیں۔''[2]

اس سلسلے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

''ایک ہی دفعہ دو طلاقیں دے دینی مکروہ ہیں کیونکہ ﴿مَرَّتٰنِ﴾ کا لفظ تفریق پر دلالت

---

① البقرة 228:2.

② معارف القرآن: 560/1 مزید دیکھیے روح المعاني: 136/1.

کرتا ہے اور اشارتاً عدد پر۔ اور ﴿ اَلطَّلَاقُ ﴾ میں لام جنس کے لیے ہے، پس قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ اکٹھی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاقیں معتبر نہ ہوئیں تو تین اکٹھی دینی تو بدرجۂ اولیٰ معتبر نہ ہوں گی کیونکہ تین میں دو سے زیادہ زیادتی ہے۔''[1]

لیکن راقم کو اس تشریح سے اتفاق نہیں ہے۔ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ سے دو الگ الگ مجلس یا طہر میں طلاق دینا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے دو ایسی رجعی طلاقیں مراد ہیں جن کے دینے کا اختیار ایک مرد کو اپنی پوری ازدواجی زندگی میں حاصل ہے، وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ حالت طہر میں طلاق دے اور عدت کے اندر رجوع کر لے، پھر آگے چل کر کسی سبب سے دوسری مرتبہ طلاق دے اور پھر عدت کے اندر رجوع کر لے، اس کے بعد اگر اس نے کسی موقع پر تیسری طلاق دے دی تو اب اس کا حق رجوع ساقط ہو گیا اور عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ سے تعداد طلاق کی تحدید بھی مقصود ہے جو ایام جاہلیت اور شروع اسلام میں غیر محدود تھی۔ عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کی حالت یہ تھی کہ بے حد و حساب طلاقیں دیتے تھے۔ کوئی یہ کرتا کہ بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب آئی تو رجوع کر لیا، پھر اس طرح طلاق دے دی محض بیوی کو ستانے کی غرض سے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾[2]

ہم نے اوپر ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کا جو مفہوم بیان کیا ہے، اس کی تائید مشہور صحابی حضرت رکانہ کے طرز عمل سے ہوتی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی طلاق کا واقعہ مذکور ہے۔ اہل حدیث کا مسلک اسی روایت پر ہے اور اس کا ذکر آگے آ رہا ہے، یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو پہلی طلاق عہد نبوی میں دی، دوسری طلاق عہد فاروقی میں اور تیسری

---

[1] تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی: 1/300.

[2] تفسیر مظهري: 1/303 وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب [نزول قوله: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾]، حديث: 1192.

طلاق عہد عثمانی میں دے کر بیوی کو چھوڑ دیا۔[1] یہی مطلب ہے ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ .... فَاِنْ طَلَّقَهَا﴾ کا۔

قرآن مجید نے ہر اس زیادتی کا تدارک کیا ہے جو اہل عرب کی ازدواجی زندگی میں عورتوں کے ساتھ روا رکھی جاتی تھی۔ عربوں میں طلاق کی ایک شکل ایلاء تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایلاء اہل جاہلیت کی طلاق تھی۔ سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ ایلاء اہل جاہلیت کا ستانا تھا، جب کسی کو اپنی بیوی سے محبت نہیں ہوتی تھی اور وہ یہ بھی نہ چاہتا کہ کوئی دوسرا اس سے نکاح کرے تو وہ یہ قسم کھا لیتا کہ میں کبھی اس کے نزدیک نہ جاؤں گا، اس کو اس طرح چھوڑے رکھتا کہ وہ نہ مطلقہ ہوتی اور نہ خاوند والی۔ شروع اسلام میں بھی اس طلاق کا رواج تھا، پھر اسلام نے اس کی مدت متعین کر دی۔[2]

قرآن مجید نے اس قسم کی طلاق کی جو مدت متعین کی ہے، وہ چار ماہ ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ شوہر اس مدت کے اندر رجوع کر لے ورنہ طلاق دے۔ اس طلاق کو طلاق رجعی کے درجے میں رکھا گیا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسحاق سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب چار مہینے گزر جائیں تو وہ ایک ہی طلاق ہے اور وہ طلاق والی عورت کی طرح عدت پوری کرے۔[3]

---

[1] تفسیر مظهري: 303/1 و سنن أبي داود، الطلاق، باب في البتة، حديث: 2206.

[2] تفسیر مظهري: 291/1.

[3] قرآن نے اس کو طلاق سے تعبیر نہیں کیا ہے، اس کے لیے صرف "ایلاء" کا لفظ استعمال کیا ہے، اسے طلاق سے تعبیر کرنا فقہائے احناف کا کام ہے۔ قرآن کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرنے کے بعد خاوند سے پوچھا جائے گا کہ وہ بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے یا طلاق دینا۔ ان دونوں میں سے ایک کام کرنا ضروری ہے، اگر وہ رجوع کر لیتا ہے تو ٹھیک۔ ورنہ اسے طلاق پر مجبور کیا جائے گا، اگر وہ رجوع بھی نہ کرے اور طلاق بھی نہ دے تو پھر عدالت خود طلاق دے کر ان کے درمیان علیحدگی کرا دے گی۔ (مرتب)

اس نوع کی طلاق میں بھی جو حد درجہ تکلیف دہ طلاق ہے، شوہر کے حق رجوع کو باقی رکھا گیا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

''ان لوگوں کے لیے جو قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں (کے پاس جانے) سے، انتظار کرنا ہے چار مہینے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں صحیح اور پسندیدہ طلاق وہ ہے جس میں عدت کے ساتھ رجعت کا دروازہ کھلا ہو۔

✵ اسلام کے قانون طلاق کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جس طرح مرد کو طلاق کا حق ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کی رقم دے کر شوہر سے آزادی حاصل کر لے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط﴾

''ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس مال میں جو وہ عورت (خلع کے) فدیے میں دے۔''[2]

اس کو اصطلاح فقہ میں خلع کہا جاتا ہے۔

✵ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اگر شوہر عدت کے اندر رجوع نہ کرے لیکن بعد میں بیوی کو واپس لینا چاہے اور عورت بھی راضی ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں عورت کے گھر والوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ رجعت کے اس عمل میں مانع نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط﴾

''تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ

---

[1] البقرة 2:226. [2] البقرة 2:229.

وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔'' [1]

اس سے بالکل ظاہر ہے کہ رجعت اسلام کی نظر میں ایک نہایت پسندیدہ امر ہے۔ ان علمائے کرام کی عقلوں پر رونا آتا ہے جو منشائے قرآن کے خلاف زوجین کو ملنے سے روکتے ہیں، محض اس بنا پر کہ نادان شوہر کے منہ سے غصے میں یا جہالت کی وجہ سے تین طلاق کے الفاظ نکل گئے۔

* اسلام کے قانون طلاق کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد عورت کو گھر سے نکالنا ممنوع ہے، مگر یہ کہ اس نے کوئی بے حیائی کا کام کیا ہو۔

* پانچویں اہم خصوصیت یہ ہے کہ عدت مکمل ہونے پر، خواہ عورت کو واپس لیا جائے یا رخصت کیا جائے، یعنی طلاق کا عمل واقع ہو جائے، دونوں صورتوں میں دو معتبر گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔ مؤخر الذکر دو اہم خصوصیات کا ذکر سورۂ طلاق میں ان لفظوں میں آیا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۗ﴾

''اے نبی! (آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے وقت میں (طہر میں) طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جو تمھارا آقا اور حاکم ہے۔ ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی حدوں

[1] البقرة 2:232.

سے تجاوز کرے گا تو اس نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔ تم کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق) کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے، پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم ان کو دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق ان کو رخصت کر دو۔ اور اپنے میں سے دو معتبر گواہوں کو اس پر گواہ بنا لو اور (اے گواہو! اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) کسی رو رعایت کے بغیر ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔''[1]

آج کل مسلمانوں میں جس قسم کی طلاق کا رواج ہے، اس میں قرآن کے قانون طلاق کے مذکورہ تمام پہلوؤں کی کھلی خلاف ورزی کی جاتی ہے، پھر بھی ان کو دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ خرابی صرف تین طلاقوں تک محدود نہیں ہے بلکہ پورا مسلم معاشرہ غیر اسلامی رسوم و رواج سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں اس کا موقع و محل نہیں کہ ان سماجی خرابیوں کو بیان کیا جائے۔ لیکن تین طلاقوں کی جو خرابی علماء کے غلط فتوؤں کی وجہ سے مسلم سماج میں سرایت کر گئی ہے، اس کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس خرابی نے ہزاروں معصوم عورتوں اور بچوں کی زندگیوں کو تباہ کیا اور ان کے مستقبل کو تاریک بنایا ہے۔

طلاق ثلاثہ (تین طلاقیں)

فقہائے احناف کہتے کہ اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے ایک ہی مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں (طلاق ثلاثہ) دے دیں تو وہ واقع ہو جائیں گی، یعنی طلاق بائن اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور بغیر نکاح ثانی (حلالہ) کے وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ یہ فقہ حنفی کا معروف مسلک ہے اور عرصۂ دراز سے بہت سے مسلم ملکوں میں رائج ہے۔ لیکن اہل حدیث کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق سمجھا جائے اور شوہر کو عدت کے اندر حق رجوع حاصل ہوگا۔ امامیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ راقم کے نزدیک یہی مسلک درست ہے۔ اول الذکر مسلک سراسر خلاف قرآن ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو آگے آ رہی ہے۔

---

[1] الطلاق 65:1،2.

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، تین طلاقوں کا تعلق ازدواجی زندگی کے تین مختلف زمانوں سے ہے۔ انھی تین متفرق طلاقوں کو عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں بعض صحابہ نے غلطی سے جمع کر لیا، انھوں نے سمجھا کہ ان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ، خواہ تین طلاقوں کو تین الگ الگ وقتوں میں دیں یا ان کو جمع کر کے ایک ہی وقت میں دے دیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ تاویل منشائے قرآن کے خلاف تھی۔ امام نسائی یہ روایت محمود بن لبید نقل فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں، آپ غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے، حالانکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔" یہ سنتے ہی ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! أَلَا أَقْتُلُهُ؟ "کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟"[1]

لیکن آپ کی اس ناراضی کے باوجود بہت سے صحابہ غصے میں اپنی بیویوں کو ایک ہی وقت میں تین اور بسا اوقات اس سے زیادہ طلاقیں دے ڈالتے اور پھر غصہ ٹھنڈا ہونے پر افسوس کرتے۔ آگے چل کر اس غلط طریقۂ طلاق کا کثرت سے رواج ہو گیا اور آج تک یہ غیر شرعی طریقۂ طلاق مسلم معاشرے میں رائج ہے۔

اس سلسلے میں جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں، ان کے تحقیقی جائزے سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس طرح کی جو طلاقیں دی گئیں، ان میں آپ کا طرز عمل مختلف تھا۔ اگر آپ ﷺ کو یقین ہو جاتا کہ تین طلاقیں وقتی اشتعال میں آ کر دی گئی ہیں اور طلاق دینے والے کی نیت بیوی کو چھوڑنے کی نہیں تھی تو اس طلاق کو طلاق رجعی قرار دیتے اور شوہر کو رجوع کا حکم صادر فرماتے۔ اور جب یہ یقین ہو جاتا کہ طلاق دینے والے کی نیت بیوی کو

[1] سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة ومافيه من التغليظ، حديث:3430 والمحلىٰ لابن حزم، أحكام الطلاق:10/167.

ڑنے کی تھی تو طرفین میں تفریق کرا دیتے۔

دونوں فیصلوں کی نظیریں کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اول الذکر فیصلے کی بہترین نظیر حضرت رکانہ کی طلاق ہے۔ اس طلاق کا ذکر حدیث کی مختلف کتابوں، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، اور دارمی میں مختلف سندوں کے ساتھ آیا ہے۔ اکثر ارباب علم نے امام ابوداود کی روایت کو جس میں البتة کا لفظ ہے، صحیح قرار دیا ہے۔ یہ لفظ عربوں کی بول چال میں تین طلاقوں کے لیے کثیر الاستعمال تھا لیکن تین اس کا صریح مفہوم نہ تھا، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے حضرت رکانہ کی طلاق کو رجعی قرار دیا۔ لیکن اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ کی تحقیق یہ ہے کہ ابوداود کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں جن کی تضعیف امام بخاری اور دوسرے محدثین نے کی ہے، اس بنا پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند میں مروی روایت کو باعتبار سند زیادہ قوی بتایا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ مسند احمد کی روایت اس طرح ہے:

”ابن عباس نے روایت کی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، اس پر ان کو شدید رنج ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا، تم نے کس طرح طلاق دی تھی؟ انھوں نے کہا کہ میں نے تین طلاقیں دی تھیں، پھر آپ نے پوچھا کہ ایک ہی مجلس میں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک ہی طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو، چنانچہ رکانہ نے رجوع کر لیا۔“[1]

دوسری طلاق کی مثال حضرت عویمر عجلانی کی ہے جنھوں نے نبی ﷺ کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کیا اور پھر کہا: اللہ کے رسول! میں اس پر جھوٹ بولنے والا ہوں گا اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اور پھر عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] مسند أحمد: 265/1 والسنن الكبرى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة: 339/7.

اس کو حکم دیتے۔ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

''تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نافذ فرمایا۔ اور رسول اللہ کے سامنے جو کچھ پیش آیا، وہ سنت قرار پایا۔ سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، پس اس کے بعد لعان کرنے والوں کے بارے میں یہ سنت رائج ہوگئی کہ ان کے درمیان تفریق کرادی جائے اور پھر وہ کبھی جمع نہ ہوں۔'' [2]

ان دونوں واقعات میں طلاق کا ذکر بالکل واضح ہے۔ آخر الذکر واقعہ کی شدت کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کیا اور پھر طلاق دے دی۔ اس طرز عمل سے صاف عیاں ہے کہ صحابیٔ مذکور اپنی بیوی سے حد درجہ نالاں تھے اور وہ کسی قیمت پر اس کو اپنے پاس رکھنے کے لیے آمادہ نہ تھے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تفریق کردی۔ لیکن حضرت رکانہ کے معاملے میں اس سے بالکل مختلف طرز عمل اپنایا۔ ان کے رنج و صدمہ کو دیکھ کر آپ سمجھ گئے کہ انھوں نے تین طلاقیں شدت غضب سے مغلوب ہو کر دی تھیں، اس سے مقصود بیوی سے دائمی ترک تعلق نہ تھا، چنانچہ آپ نے ان کے رجوع کا فیصلہ دیا۔

ان دونوں واقعات طلاق سے یہ فقہی اصول مستنبط ہوا کہ فتویٰ محض واقعے کی ظاہری صورت کو دیکھ کر نہیں دینا چاہیے بلکہ ان احوال و کوائف کا مطالعہ ضروری ہے جن کے زیر اثر فعل طلاق واقع ہوا ہے۔

اس فقہی اصول کو پیش نظر رکھیں تو اس روایت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے جس میں

---

[1] صحيح مسلم، كتاب اللعان: 1492.

[2] سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث: 2250.

کی کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں طلاق کے بارے میں یہ دستور تھا کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگ اس معاملے میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت تھی، اس لیے یہ مناسب ہوگا کہ ہم اس کو ان پر نافذ کردیں تو آپ نے نافذ کردیا۔[1]

عہد رسالت میں طلاق دینے والے کی نیت کا لحاظ کر کے طلاق ثلاثہ کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا تھا۔ یہی طرز معاملہ خلیفۂ اول کے دور حکومت میں رہا اور حضرت عمر فاروق کے ابتدائی دو سالوں میں بھی اسی سنت پر عمل رہا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آج کے حالات میں طلاق دینے والے کی نیت کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اگر شوہر حلفاً یہ بیان دے کہ تین طلاقوں سے اس کی نیت بیوی کو چھوڑنے کی نہیں تھی، محض غصے میں تین کے الفاظ منہ سے نکل گئے تو اس طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا جانا چاہیے کیونکہ اسلام کے قانون طلاق کا منشا یہ ہے کہ جب زوجین ملنا چاہیں تو ان کو ملنے دیا جائے۔ لیکن اگر تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو کہ شوہر نے طلاق کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر نہیں دی ہے بلکہ یہ اس کا خوب سوچا سمجھا فیصلہ ہے اور وہ بیوی کو واپس لینے کے لیے بالکل آمادہ نہیں ہے تو پھر تفریق کرادی جائے بشرطیکہ وہ ان تمام واجبات کو ادا کرنے کے لیے تیار ہو جو بیوی سے ترک تعلق کی صورت میں اس پر شرعاً واجب ہوتے ہیں۔

جہاں تک حضرت عمر فاروق کے فیصلے کا تعلق ہے تو وہ ایک وقتی اجتہاد تھا اور اس دور کے مخصوص حالات و مسائل کے عین مطابق تھا۔ اور حاکم کو اجتہاد کا حق حاصل ہے، یہی وجہ ہے

---

[1] صحيح مسلم، الطلاق ، باب طلاق الثلاث، حديث:1472و سنن أبي داود، الطلاق، باب نسخ المراجعة......حديث: 2199و السنن الكبرى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة......: 336/7و المستدرك للحاكم، الطلاق: 196/2، حديث:2793.

کہ ان کے اس فیصلے سے اس وقت کسی صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔امام طحاوی لکھتے ہیں

''پس حضرت عمر نے اس کے ساتھ لوگوں کو مخاطب فرمایا۔ ان لوگوں میں رسول کریم ﷺ کے وہ صحابہ بھی تھے جن کو اس سے پہلے رسول کریم ﷺ کے زمانے کے طریقے کا علم تھا تو ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ اسے رد کیا۔''①

وہ روایتیں (آثار صحابہ) جن میں تین طلاقوں کو طلاق بائن بتایا گیا ہے، ان کا تعلق اسی دور سے ہے۔ حضرت عمر فاروق کے مذکورہ اجتہاد کو جسے بعض اہل علم نے تعزیری فیصلہ بتایا ہے، اسلام کے اصل قانون طلاق کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ عہد نبوی کے فیصلے کو اختیار کیا جائے تاکہ ہزاروں مسلم خاندانوں کو تباہی سے بچایا جاسکے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ، دونوں میں مسلمانوں کو سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ اس کے علاوہ ان کے معاشرے میں مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی آسانی کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ وہ مطلقہ عورتیں جن کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا، ان کی کفالت اور خبر گیری ریاست کی ذمے داری تھی۔ اس وقت یہ سب حالات عنقا (ناپید) ہیں، اس لیے حضرت عمر کے اجتہادی فیصلے کو طلاق ثلاثہ کے واقع ہو جانے کے حق میں بطور دلیل پیش کرنا دلیل کم نظری ہے۔ ہر فتویٰ کو اس کے مخصوص ماحول میں رکھ کر دیکھنا چاہیے۔

صحیح طریقۂ طلاق

اسلام نے طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ بتایا ہے کہ عورت کو حالت طہر میں مقاربت کے بغیر طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے، عدت گزرنے کے بعد طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی۔ عدت گزرنے سے پہلے شوہر کو حق حاصل ہے کہ وہ رجوع کر لے۔ عدت کے بعد نکاح ثانی کی صورت میں عورت کو واپس لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ واپسی کے لیے تیار ہو۔

---

① شرح معاني الآثار: 29/2.

سنن ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور ہو جائے تو ایک طلاق دے دے۔ اگر رجعت کا ارادہ نہ ہو تو اسے ویسے ہی رہنے دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے:

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ»[1]

بہت سے نیم خواندہ مسلمان سمجھتے ہیں کہ جب تک تین بار طلاق کے الفاظ نہ کہے جائیں تو طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ جب ایک بار کہہ دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تو پھر الفاظ طلاق کا تکرار بے سود ہے اور اس سے نفس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الفاظ طلاق کا تکرار بالعموم طلاق کو مؤکد کرنے کی غرض سے ہوتا ہے یا شوہر غصے کی حالت میں مشتعل ہو کر تعداد طلاق کو بڑھا دیتا ہے، مثلاً: یوں کہے کہ میں نے تم کو سو طلاقیں دیں۔ اس فعل سے گو کہ قابل مذمت ہے، طلاق کی نوعیت جوں کی توں قائم رہتی ہے، یعنی وہ ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بار اس نازیبا حرکت کا مرتکب ہو تو وہ یقیناً سزا کا مستحق ہے۔ حضرت عمر کے بارے میں روایت ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے والا کوئی شخص جب ان کے پاس لایا جاتا تو اسے درے لگاتے۔[2]

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ایک مجلس یا طہر میں تین طلاقیں دینا خلاف سنت ہے، اور یہ

---

[1] تفسير مظهري:303/1، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في كراهية الطلاق، حديث:2178، و سنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سويد بن سعيد، حديث:2018 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب ماجاء في كراهية الطلاق:322/7.

[2] فتح الباري، الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث:362/9، وشرح معاني الآثار:59/3 و سنن سعيد بن منصور، الطلاق، باب التعدي في الطلاق، حديث:1073.

بلاشبہ خلاف سنت ہے، لیکن الگ الگ تین مجلسوں یا طہروں میں طلاق دینا مطابق سنت ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جس طرح ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا خلاف سنت ہے، اسی طرح تین الگ الگ مجلسوں یا طہروں میں طلاق دینا بھی خلاف سنت ہے۔ فرق صرف درجے کا ہے۔ اول الذکر طلاق بدعت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن ثانی الذکر کو بدعت کے خانے سے اس لیے نکال دیا گیا ہے کہ اس میں شوہر کے لیے غور وفکر اور رجعت کا موقع باقی رہتا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ طریقۂ طلاق بھی خلاف سنت ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے:

> ''یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور بہت سے دوسرے فقہاء نے تیسری طلاق کو جائز نہیں رکھا، اس کو وہ طلاق بدعت کہتے ہیں۔ اور دوسرے فقہاء نے تین طلاقوں کو صرف اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ الگ الگ تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ ان فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بھی طلاق سنت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں ہے کہ اس طرح تین طلاقیں دینا مسنون اور محبوب ہے بلکہ طلاق بدعت کے مقابلے میں اس کو طلاق سنت اس معنی سے کہہ دیا گیا کہ یہ بدعت میں داخل نہیں۔''[1]

سنت کی طرف واپسی

اگر کوئی شخص خلاف سنت طلاق دیتا ہے، مثلاً: ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دے تو ایسے شخص کو تنبیہ کی جائے اور اس کے اس فعل کو کالعدم قرار دے کر اس کو سنت (اصل قانون) کی طرف لوٹایا جائے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اکثر علماء وفقہاء تسلیم کرتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں طلاق بدعت ہے اور بعض کے نزدیک ناجائز اور حرام لیکن اس کے باوجود ان کا اصرار ہے کہ وہ واقع

[1] معارف القرآن:1/559.

جاتی ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''اپنے سارے اختیارات طلاق کو ختم کر کے تین طلاق تک پہنچنا اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا سبب ہے جیسا کہ سابقہ روایت میں لکھا جا چکا ہے۔ اور اسی لیے جمہور امت کے نزدیک یہ فعل غیر مستحسن اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود کسی نے ایسا کر لیا تو اس کا وہی اثر ہونا چاہیے جو جائز طلاق کا ہوتا ہے، یعنی تین طلاقیں واقع ہو جائیں اور رجعت کا اختیار نہ ہو اور نکاح جدید کا اختیار بھی سلب ہو جائے۔''[1]

بعض علماء نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح موطأ میں لکھا ہے کہ جمہور امت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر متفق ہیں بلکہ ابن عبدالبر کے نزدیک اس پر اجماع ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی قول ہے تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔[2]

شیخ الاسلام امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور سلف و خلف رحمہم اللہ کے بہت سے علماء کا خیال ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، البتہ طاؤس اور بعض اہل ظاہر کے قول کے مطابق ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔[3]

طاؤس اور عکرمہ جیسے ارباب فقہ کا صرف یہی فتویٰ نہیں ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہیں بلکہ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے، اس لیے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سنت کی طرف لوٹایا جائے۔ یہی قول ابن اسحاق کا ہے۔[4]

اس قول کی تائید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعۂ طلاق سے ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنی بیوی کو

---

[1] معارف القرآن: 563/1.

[2] شرح موطأ: 167/3.

[3] شرح مسلم للنووي: 478/1.

[4] تفسير مظهري: 301/1.

حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو حضور سنتے ہی غصے میں آ گئے، پھر فرمایا: ''اسے چاہیے کہ عورت سے رجوع کر لے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے، پھر اسے حیض آئے، پھر پاک ہو جائے، اس کے بعد اگر طلاق ہی دینی ہے تو حالت طہر میں مقاربت کے بغیر طلاق دے دے، پس یہی وہ عدت (وقت) ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔''[1]

اکثر علماء وفقہاء نے غالباً قانون کے اس پہلو پر غور نہیں کیا اور اگر غور کیا تو کسی سبب سے اس سے صرف نظر کر لیا کہ وضع قانون کا مقصد افراد معاشرہ کے درمیان عدل وقسط کا قیام ہے، یعنی ایک فرد دوسرے فرد کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کے لیے حدود اللہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ گویا قانون وہ حد مقرر کرتا ہے جس سے تجاوز کرنا افراد معاشرہ کے لیے نقصان کا موجب ہے۔ اسی طرح ہر قانون چاہتا ہے کہ اس کو جوں کا توں نافذ کیا جائے۔ دنیوی حکومتوں میں بھی قانون کا احترام اور اس کی مکمل پیروی لازمی خیال کی جاتی ہے اور اس کی خلاف ورزی موجب سزا ہوتی ہے، پھر اسلام کے قانون طلاق کے بارے میں یہ خیال کس طرح قائم کر لیا گیا ہے کہ اس کی مکمل پیروی ضروری نہیں ہے اور اس کی عدم تعمیل قابل مؤاخذہ نہ ہوگی۔

اس پس منظر میں غور کریں تو تسلیم کریں گے کہ تین طلاق کا موجودہ طریقہ نہ صرف عورت اور اس کے بچوں کے ساتھ زیادتی ہے بلکہ ظلم صریح کے مترادف ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ اس زیادتی کو بچشم سر دیکھنے کے باوجود اس غلط طریقۂ طلاق کے اثرات کو تسلیم کر لیا گیا ہے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جو مسلمان اسلام کے قانون طلاق کی خلاف ورزی کرتا اس کو سزا دی جاتی اور

---

[1] صحيح البخاري، الطلاق،[باب] وقول الله تعالى: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (الطلاق 65:1)، حديث:5251، وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض......، حديث:(4)-1471.

اس قانون کی طرف رجعت کے لیے اس کو مجبور کیا جاتا۔ لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، سزا تو درکنار، طلاق ثلاثہ کے پردے میں ان کو یہ موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی زندگی کے ساتھ کھلواڑ (کھیل تماشہ) کریں۔

اگر آپ کسی مفتی سے پوچھیں کہ فلاں شخص نے مغرب کی نماز میں تین رکعتوں کی بجائے دو ہی رکعت ادا کی ہیں تو کیا اس کی نماز ہوگئی؟ فوراً جواب ملے گا کہ ہرگز نہیں، وہ خطا کار ہے۔ وہ ہرگز یہ فتویٰ نہ دے گا کہ نماز تو ہوگئی لیکن یہ نماز بدعت ہے اور مصلی قصوروار ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صاحب نصاب مسلمان اپنے مال کی زکاۃ مقررہ نصاب سے کم نکالے تو ہر دارالافتاء سے ایک ہی فتویٰ صادر ہوگا کہ زکاۃ ادا نہیں ہوئی، اس لیے کہ اس نے اسلام کے قانون زکاۃ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اگر اسلامی ریاست ہوگی تو اس نالائق کی پشت پر تازیانے (کوڑے) پڑیں گے اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مقررہ نصاب کے مطابق زکاۃ ادا کرے۔

لیکن یہی مفتیان کرام اور علمائے عظام اسلام کے قانون طلاق کی خلاف ورزی کے معاملے میں اس سے بالکل مختلف طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ تین طلاقیں دینے والے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تمھاری طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ خلاف قاعدہ دی گئی ہے، تم کو اصل قانون کے مطابق طلاق دینی ہوگی اگر تم فی الواقع اپنی بیوی سے رشتۂ زوجیت کا انقطاع چاہتے ہو، اس کے برعکس یہ کہا جاتا ہے کہ طلاق تو واقع ہوگئی مگر تم نے گناہ کا کام کیا ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی جو دینی اور اخلاقی حالت ہے اور جس نوع کے سیاسی اور معاشی بحران سے ملت دوچار ہے، اس کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے طلاق کے معاملے میں صرف دو متبادل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو جس کا آج کل رواج ہے، ایک طلاق رجعی قرار دیا جائے، اور دوسرا متبادل یہ ہے کہ اسے کالعدم قرار دے کر طلاق دینے والے سے کہا جائے کہ وہ بیوی کو واپس لے اور سنت کے مطابق حالت طہر میں بغیر جنسی

مقاربت کے طلاق دے اور عدت کا خیال رکھے۔ اگر بیوی کو واپس لینا ہے تو عدت کے اندر رجوع کرے ورنہ حسن سلوک کے ساتھ اسے رخصت کر دے۔ اس کے سوا ہر طریقہ بدعت اور ضلالت ہے۔

(منقول از ماہنامہ ''اشراق'' لاہور فروری۔2006ء)

مسئلہ تطلیقاتِ ثلاثہ فی مجلسٍ واحدٍ

مولانا ابوالحسنات ندوی (رفیق دارالمصنفین)

یہ مقالہ 1922ء میں (آج سے 85 سال قبل ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ) میں دو قسطوں میں شائع ہوا تھا، اس وقت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اس کے مدیر تھے۔
اس کے لکھنے والے بھی اہل حدیث نہیں ہیں، حنفی عالم ہیں لیکن انھوں نے بھی دونوں موقفوں کے دلائل ذکر کر کے، اُن دلائل کو ترجیح دی ہے جس سے اہل حدیث کے موقف کی تائید ہوتی ہے اوران کے ٹیپ کا بند بھی یہی ہے کہ ''جس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نرمی اختیار کی ہے، ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم امت مسلمہ کو اس رحمت عالم ﷺ کی رحمت ورأفت سے محروم کردیں۔''
اب یہ مقالہ مکمل طور پر ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس میں اختصار کو پسند نہیں کیا۔ (مرتب)

انسان کے لیے اُس کی ازدواجی زندگی میں کبھی ایسے اوقات بھی آتے ہیں کہ زن وشو کی قطعی جدائی ضروری ہو جاتی ہے لیکن یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے مواقع بہت اہم،

نازک اوراس کے لیے سخت قابل احتیاط ہوتے ہیں۔ مذاہب عالم، جن کا اصلی و مشترک مق
انسان کی دینی و دنیوی زندگی کوخوشگوار بنانا ہے، نے اس بارے میں مختلف راہیں اختیار کی ہیں،
موجودہ دین مسیحی میں طلاق ایک معمولی درجے کی چیز ہوکر رہ گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج
اُس کے پیرو اس کی کثرت وعموم سے گھبرا اُٹھے ہیں، دوسری طرف اس دنیا میں ایسے مذاہب
بھی موجود ہیں جن میں طلاق مطلقاً حرام ہے، اس بنا پر ایک مرد جس کی زندگی اُس کی شریک
زندگی (بیوی) کی ناموافقتِ مزاج وحالات سے اُس کے لیے عذاب الیم ہوگئی ہو اور وہ دل
سے چاہتا ہو کہ اس مصیبت سے نجات پائے لیکن محض اس لیے اس کو تا دم مرگ اس میں مبتلا
رہنا پڑتا ہے کہ اس کے مذہب نے کسی حالت میں بھی اس سے چھوٹنے کی اجازت نہیں دی۔
اسلام دین فطرت ہے، اس لیے وہ اس افراط وتفریط سے بالکل علیحدہ ہے، اس مسئلے میں اس کی
راہ ان دونوں کے بیچ بیچ میں ہے جس کی نسبت یہ علانیہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ایسی شاہراہ
ہے جس پر چل کر انسان اپنے دامن حیات کو ناخوشگواریوں اور اذیتوں کے خارزار سے ہر طرح
محفوظ ومصئون رکھ سکتا ہے۔

طلاق کی نسبت اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان ناگزیر حالات میں جب زن وشو کی تلخ کام
زندگی تفریق وجدائی کے سوا اور کسی طرح بھی خوشگوار بن ہی نہ سکتی ہو، تو اُس وقت طلاق کے
جواز سے کام لے کر زندگی کی کلفتوں کو دُور کیا جاسکتا ہے لیکن اس نازک حالت کے سوا اور
حالات کے لیے اس کی تعلیم یہ ہے کہ (اَلطَّلَاقُ أَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ) ''طلاق ایک مکروہ ترین
امر جائز ہے۔'' اسلام کی اس تعلیم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر ایک
نہایت دقیق نکتے تک پہنچی ہے، یعنی یہ کہ طلاق کو مطلقاً ناجائز ٹھہرانا جس قدر مضر نتائج پیدا
کرسکتا ہے، اسی قدر بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی بُرے نتائج اُس کو ایک معمولی درجے کی چیز قرار
دینے سے بھی پیدا ہوسکتے ہیں، یہ وہ لطیف نکتہ ہے جس تک دوسرے ارباب مذاہب کی نظریں

...وں نے اُس کو مطلقاً ناجائز قرار دیا یا اُس کو ایک معمولی درجے کی چیز ٹھہرایا، سینکڑوں اور ہزاروں برس کے بعد پہنچی ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی اسی نکتہ رسی کی بنا پر اس مسئلے میں بہت سی قیود اور شرطیں لگائیں اور اس بارے میں اپنے پیروؤں پر بہت سی مفید پابندیاں اور اہم ذمے داریاں عائد کی ہیں۔

یہاں پر مسئلۂ طلاق کی پوری تفصیل و تصریح مقصود نہیں بلکہ اس کی ایک خاص صورت کی توضیح مقصود ہے، وہ صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی خاص حالت کے زیر اثر ایک ہی مجلس اور ایک ہی وقت میں پے در پے یہ جملہ تین مرتبہ اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، تو کیا وہ بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور یہ طلاق طلاقِ بائن ہوگی؟ اصل اور غیر مختلط احکام شریعت کے لحاظ سے تو یہ سوال نہایت سہل اور صاف تھا لیکن ائمہ و مجتہدین کے تخالفِ اقوال اور پھر متأخرین علماء کے متشددانہ اختلافِ رائے نے اس مسئلے کو خاص طور پر پیچیدہ کر دیا ہے، اس لیے میں اس موقع پر تقریباً دونوں قسم کی رائیں اور اُن کے دلائل لکھ کر دلائل کی قوت کو نمایاں کروں گا تاکہ جو پیچیدگیاں واقع ہوگئی ہیں وہ رفع ہوسکیں اور اصل مسئلہ واضح ہو۔ اس قسم کے واقعات جو اتفاق سے کبھی کبھی پیش آ جاتے ہیں وہ لوگوں کی ناواقفیت یا ایک ناصحیح مذہبی تخیل کی بنا پر افسوسناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ ایک نہایت شدید دینی ضرورت ہے کہ اُس کا حتی الامکان انسداد کیا جائے۔

اسلام میں اصل شے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے، اس کے بعد اقوال و اعمال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اُن کے بعد علمائے دین کے فتویٰ اور رائیں۔ خوش قسمتی سے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق اِن تمام چیزوں میں تصریحات ملتی ہیں، میں بہ ترتیب درجہ بدرجہ اس موقع پر ان تمام تصریحات کو جمع کر دیتا ہوں۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام کی نظر میں ازدواجی زندگی ایک نہایت نازک آبگینہ ہے جس کی

محافظت کے فرائض نہایت اہم ہیں، اس لیے ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آبگینے کو چور چور کر دینے والی شے طلاق پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسان کو بہت کچھ سوچنے سمجھنے اور اس کے تمام نتائج پر غور وفکر کر لینے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ قرآن مجید کا غور وتدبر بھی ہمیں اسی نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں تعجیل اور زود پسندی کی بالکل اجازت نہیں دی، سورۂ بقرہ اور سورۂ طلاق میں اس مسئلے کے تمام تفصیلی احکام مندرج ہیں۔ قرآن مجید میں طلاق کی جو صورت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پوری مدت طلاق زمانۂ عدت، یا تین طُہر یا تین حیض کا زمانہ ہے۔ اس مدت میں بہ تفریق (علیحدہ علیحدہ) طلاق دینا چاہیے، دو مرتبہ طلاق دے چکنے تک مرد کو رجعت کا حق حاصل رہتا ہے، یعنی اس کے بعد بھی اگر وہ اپنی بیوی کو زوجیت میں رکھنا پسند کرے تو رکھ سکتا ہے۔ لیکن تیسری مرتبہ طلاق دے دینے کے بعد وہ اس پر اُس وقت تک کے لیے حرام ہو جاتی ہے جب تک کہ دوسرا شخص اس مطلقہ عورت سے نکاح کر کے اُس کو طلاق نہ دے دے یا خود وہ شخص مر نہ جائے۔ سورۂ طلاق میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ....لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾

''اے نبی! جب تم مسلمان عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت کے زمانے میں طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو..... تم نہیں جانتے شاید اللہ اُس کے بعد کوئی اچھی حالت پیدا کر دے پس جب عورتیں اپنی عدت کے خاتمے کو پہنچ جائیں تو انھیں حسن سلوک کے ساتھ رکھو۔'' [1]

[1] الطلاق 2,1:65.

سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ ﴾

''اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے وہ اپنے آپ کو تین طہر کی مدت تک روکے رکھیں......اور اس مدت میں اُن کے شوہر اُن کے واپس لینے کے دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں اگر وہ اصلاح کی راہ اختیار کرلیں۔''[1]

یہ آیتیں اس بات کا غیر مشتبہ ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے لیے طلاق کی صحیح صورت یہی تجویز کی ہے کہ وہ تین طہر یا تین حیض کی مدت میں بتدریج ایک ایک طلاق دے اور اس اثناء میں تیسری طلاق سے پہلے اگر وہ رجعت کر لینا چاہے تو اپنی بیوی کا سب سے زیادہ مستحق وہی طلاق دینے والا شوہر ہے،طلاق کی اس طویل مدت میں تقسیم وتفریق اسی لیے ہے کہ اس مدت میں فریقین کو آئندہ واقعات وحالات اور طلاق کے نتائج پر غور کر لینے اور ان کو اچھی طرح سمجھ لینے کا کافی موقع ملے،طلاق کی اسی صورت کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی ایک دوسری آیت میں اور زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ........ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ ﴾

''طلاق دو مرتبہ ہے،اس کے بعد یا تو حسن سلوک کے ساتھ رکھنا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دینا......پس اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حرام ہے جب تک اُس سے کوئی دوسرا شخص شادی نہ کر چکے۔''[2]

سورۂ طلاق والی آیت میں ﴿ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ ﴾ کے بعد جو نقطے (ڈاٹس) ہیں وہاں پر

---

[1] البقرة 2:228. [2] البقرة 2:229,230.

آیتیں طوالت کی وجہ سے لکھی نہیں گئیں، اُن کے احکام یہ ہیں کہ اس مدت میں عورتوں کو کسی سخت ضرورت شرعی کے گھر سے نکلنے نہ دو، اور سورۂ بقرہ کی اس دوسری آیت میں ﴿ بِإِحْسَانٍ ﴾ کے بعد جو (ڈاٹس) نقطے ہیں وہاں پر آیات کے احکام یہ ہیں کہ جو کچھ تم نے اُن کو دیا ہے اُس کو واپس لے لینا تمھارے لیے جائز نہیں، ان احکام کے بعد دونوں سورتوں کی بقیہ آیات محذوفہ میں یہ مشترک حکم ہے کہ ''عدت میں طلاق دینا، عدت کا شمار کرنا، عورتوں کو اس زمانے میں گھر سے نکلنے نہ دینا'' یا دوسری آیت کے مطابق ''جو کچھ ان کو دیا ہے اُس کو واپس نہ لینا، یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں جن سے تجاوز کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں، اور جو شخص تجاوز کرے گا وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت میں بتدریج طلاق دینا اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حد ہے جس سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے۔

انھی آیات قرآنی کی بنا پر ائمہ وعلمائے امت میں سے امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے:

«تَدَبَّرْتُ الْقُرْآنَ فَإِذَا كُلُّ طَلَاقٍ فِيهِ فَهُوَ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ، يَعْنِي طَلَاقَ الْمَدْخُولِ بِهَا غَيْرَ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ﴾»

''میں نے قرآن مجید میں بہت غور وفکر کیا اس میں زن مدخولہ سے متعلق جتنی طلاقیں پائیں، اُن میں سے ہر طلاق رجعی ہے، البتہ اس آیت میں مذکورہ طلاق اُن سے مستثنیٰ ہے: ''پس اگر اس نے تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حرام ہے یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔''[1]

آیات قرآنی کی ان تصریحات کے سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعۂ طلاق کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد کتب صحاح، سنن اور

---

[1] فتاوی ابن تيمية: 32/293.

نیدسب میں مندرج ہے:

«إِنَّ ابْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ حَائِضٌ، فَذَكَرَ عُمَرُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا حَتَّى تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ يُطَلَّقَ فِيهَا النِّسَاءُ»

''ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کا رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: اِن سے کہو کہ رجعت کر لیں یہاں تک کہ وہ پھر حائضہ ہو اور پھر پاک ہو اور پھر حائضہ ہو اور پھر پاک ہو، اس کے بعد اُن کو اختیار ہے چاہیں وہ اُس کو اپنی زوجیت میں رکھیں یا اُس کو چھونے سے پہلے طلاق دے دیں، اس لیے کہ یہی وہ عدت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔''

حدیث کا شانِ ورود اگرچہ واقعۂ طلاقِ حائض ہے لیکن اس میں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کی جو صورت تفصیل سے بیان فرمائی ہے، میرا اصلی مقصود وہی تفصیل ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیتوں سے طلاق کی جو صورت ظاہر ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ سے اس کی یہ نہایت غیر مشتبہ تفسیر و تشریح ہے اور یہی وہ طلاق ہے جس کو طلاق سُنّی (مسنون طریقۂ طلاق) کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں سب طلاق بدعت میں داخل ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی واقعہ ایک اور روایت میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

«فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: يَاابْنَ عُمَرَ! مَا هٰكَذَا أَمَرَكَ اللهُ تَعَالٰى، إِنَّكَ قَدْ أَخْطَأْتَ السُّنَّةَ، وَالسُّنَّةُ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ فَتُطَلِّقَ لِكُلِّ قُرْءٍ»

”یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اے ابن عمر! تم کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا، تم سنت سے ہٹ گئے ہو۔ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرو اور ہر طہر میں ایک طلاق دو۔“[1]

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

”ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ طلاق ہر طُہر کے زمانے میں ہے۔“[2]

واقعہ یہ ہے کہ زن وشو کی تفریق کو شریعت اسلامیہ نہایت اہمیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، وہ اس رشتے کا ٹوٹنا بجز مخصوص حالات کے بالکل جائز نہیں رکھتی، اس لیے طلاق ایک ایسی جائز شے ہے جس سے عموماً بچنا چاہیے، البتہ جب کبھی ناقابلِ برداشت اور زندگی کو تلخ و ناخوشگوار بنا دینے والے حالات پیدا ہو جائیں، تو پھر ایسی حالت میں بتدریج آئندہ کے تمام حالات اور اُن کے نتائج پر غور وفکر کر لینے کے بعد وہ اپنے پیروکاروں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دیتی ہے، زن وشو کے انقطاعِ تعلقات کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سحر کی مذمت بیان فرمائی تو اس کا سب سے مکروہ ترین اثر یہ ظاہر کیا کہ ﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهِ﴾ ”اور ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے ہیں جس کے ذریعے سے زن وشو میں تفرقہ پیدا کر دیتے ہیں۔“[3]

ایک اور روایت میں حضرت جابر سے مروی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِّنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ: ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ: نِعْمَ أَنْتَ»

---

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي:7/330. [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي:7/339. [3] البقرة2:102.

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس پانی پر تخت بچھا کر اپنے لشکروں کو ہر طرف بھیجتا ہے، ان شیاطین میں سے ازروئے قدر و منزلت ابلیس سے قریب تر وہ شیطان ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرتا ہے، ابلیس کے پاس ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس اس طرح کیا تو شیطان کہتا ہے: تو نے کوئی (بڑا) کام سرانجام نہیں دیا، پھر ان میں سے ایک (اور) آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ ڈلوا دی، پس ابلیس اُس کو اپنے قریب کر لیتا ہے اور اُس کو اپنے سے چمٹا کر یہ کہتا ہے کہ تو بہت ہی اچھا ہے، (جس نے یہ بڑا کام کیا ہے۔)''[1]

ایک اور حدیث میں ہے:

«عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ»

''نبی ﷺ سے مروی ہے کہ جس عورت نے بغیر کسی سبب کے اپنے شوہر سے طلاق مانگی، اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''[2]

پہلی حدیث میں تفریق زوجین کی فتنۂ عظیم سے تعبیر اور دوسری روایت میں بغیر کسی سبب کے طلاق خواہ (طلاق چاہنے والی) عورت پر جنت کی حرمت، شریعت کی نگاہ میں طلاق کی اہمیت و استکراہ کو اچھی طرح ظاہر کرتی ہے۔

تصریحات احادیث نبوی

اب ان تصریحات کے بعد اصل مسئلے کے متعلق روایات صحیحہ کی بنیاد پر یہ غور کرنا چاہیے کہ

---

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان......، حديث:2813.

[2] سنن أبي داود، الطلاق، باب في الخلع، حديث:2226، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب كراهية الخلع للمرأة، حديث:2055 واللفظ له.

اگر کسی شخص نے اس بارے میں اپنی جہالت و بے خبری سے جلدی کی اور ایک ہی مجلس میں مسلسل تین طلاقیں دے دیں تو آخر کیا ہو؟

روایت کا تتبع یہ ظاہر کرتا ہے کہ جمع طلاق ثلاثہ کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں جمع کی جائیں، مثلاً: یہ کہ میں نے تم کو تین طلاقیں دیں۔

یا یہ کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس اور ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے دی جائیں۔

گو یہ دونوں صورتیں قرآن مجید کے اصل منشا کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ اس سے تو تین طلاقوں کی تین طہر میں تقسیم وتفریق مستفاد ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کو جمع طلاق ثلاثہ کے واقع کی اطلاع ملی تو آپ غضب ناک ہوئے جیسا کہ سنن نسائی وغیرہ میں ہے۔[1]

لیکن بہر حال اگر اس کے خلاف کبھی کسی سے عمل ہو جائے تو ناگزیر طور پر یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ اس صورت میں حکم وفیصلہ کیا ہوگا؟ اس میں تو اکثروں کا اتفاق ہے کہ تین طلاقوں کا ایک لفظ میں جمع کرنا حرام ہے۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی یہ تصریح ملتی ہے کہ ایسی حالت میں طلاق واقع تو

---

[1] قرآن کریم سے تین طہروں میں تقسیم وتفریق کر کے طلاق کا حکم مستفاد نہیں ہوتا، بلکہ قرآن کے الفاظ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ....﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری زندگی میں ایک مرد کو دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کرنے کا حق ہے۔ جب وہ اپنا یہ حق دو مرتبہ مختلف اوقات میں استعمال کر کے ختم کر لے گا اور کسی موقع پر تیسری مرتبہ طلاق دے دے گا تو پھر اسے حق رجوع حاصل نہیں رہے گا۔ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ﴾ (البقرۃ 2:230) اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طلاق صرف ایک ہی دی جائے اور اس وقت دی جائے جب عورت حیض سے پاک ہو جائے اور خاوند اس سے مقاربت نہ کرے۔ ایک طلاق دینے کے بعد اگر خاوند عدت کے اندر رجوع نہیں کرے گا تو عدت گزرتے ہی ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ تاہم پہلی اور دوسری طلاق میں عدت گزرنے کے بعد ان کے درمیان دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ (ص۔ی)

ں لیکن صرف ایک طلاق رجعی ہوگی۔ ابو جعفر احمد بن محمد مغیث نے اپنی کتاب المقنع فی اصول الوثائق و بیان ما فی ذلك من الدقائق میں لکھا ہے:

«وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ أَنْ يُّطَلِّقَهَا ثَلَاثًا فِي كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ، فَإِنْ فَعَلَ لَزِمَهُ الطَّلَاقُ، ثُمَّ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ بَعْدَ إِجْمَاعِهِمْ عَلَى أَنَّهُ مُطَلِّقٌ كَمْ يَلْزَمُهُ مِنَ الطَّلَاقِ، فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَّابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: يَلْزَمُهُ طَلْقَةٌ وَّاحِدَةٌ وَكَذَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا»

''اور طلاق بدعت یہ ہے کہ کلمۂ واحد میں تین طلاقیں دی جائیں، پس اگر ایسا کسی نے کیا تو طلاق یقیناً واقع ہو جائے گی، البتہ ارباب علم نے وقوع طلاق پر اجماع کے بعد اس میں اختلاف کیا ہے کہ کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ ایک طلاق پڑے گی اور ایسا ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی ہے۔''[1]

اسی طرح مجلس واحد میں جمع تطلیقات ثلاثہ بھی طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہیں، اس بارے میں صحیح و محفوظ روایتیں حسب ذیل ہیں:

«حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنِي دَاودُ بْنُ الْحُصَيْنِ، عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا، قَالَ: فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا،

[1] فتاوٰی ابن تیمیة:83/33و الفتاوی الکبرٰی:20/3.

قَالَ: فَقَالَ: فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ، فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ، قَالَ: فَرَاجَعَهَا»

''سعید بن ابراہیم نے حدیث بیان کی ..... عکرمہ مولیٰ ابن عباس، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں بیک جلسہ دیں اور اس واقع پر وہ بہت غمگین ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم نے کس طرح طلاق دی؟'' اُنھوں نے کہا: تین طلاقیں دیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا ایک ہی مجلس میں؟'' اُنھوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ''یہ تو ایک طلاق ہے، پس اگر چاہو تو رجعت کرلو۔'' راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد رکانہ نے رجعت کر لی۔''[1]

«قَالَ أَبُودَاودَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ: أَخْبَرَنِي بَعْضُ بَنِي أَبِي رَافِعٍ مَّوْلَى النَّبِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُو رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ - أُمَّ رُكَانَةَ وَنَكَحَ امْرَأَةً مِّنْ مُّزَيْنَةَ، فَجَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: مَا يُغْنِي عَنِّي إِلَّا كَمَا تُغْنِي هٰذِهِ الشَّعْرَةُ لِشَعْرَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ رَّأْسِهَا فَفَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، فَأَخَذَتِ النَّبِيَّ ﷺ حَمِيَّةٌ، فَدَعَا بِرُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ، ثُمَّ قَالَ لِجُلَسَائِهِ: "أَتَرَوْنَ فُلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا" مِنْ عَبْدِ يَزِيدَ، "وَفُلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا؟" قَالُوا: نَعَمْ! قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَبْدِ يَزِيدَ: "طَلِّقْهَا" فَفَعَلَ، ثُمَّ قَالَ: «رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ» فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا يَّارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «قَدْ

[1] مسند أحمد: 265/1 و السنن الکبریٰ للبیهقي، الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة: 339/7.

عَلِمْتُ رَاجِعْهَا» وَتَلَا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾

"امام ابو داود نے کہا..... عکرمہ مولیٰ ابن عباس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ اور اس کے بھائیوں کے باپ عبد یزید نے ام رکانہ کو طلاق دے دی اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کر لی، وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ایک بال اپنے سر سے توڑ کر یہ کہا: عبد یزید میری اتنی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتے جتنی کہ یہ بال کر سکتا ہے، اس لیے مجھ میں اور اُن میں آپ تفریق کرا دیجیے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیرت آئی اور آپ نے رکانہ اور اس کے بھائیوں کو بلوا کر حاضرین مجلس سے یہ سوال کیا: "کیا یہ لوگ عبد یزید سے فلاں فلاں چیزوں میں مشابہ نہیں ہیں"؟ لوگوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید سے کہا: "اس کو طلاق دے دو اور اپنی بیوی ام رکانہ سے رجعت کر لو" عبد یزید نے کہا: میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا: "ہاں، میں جانتا ہوں، رجعت کر لو۔" یہ فرما کر حسبِ ذیل آیت تلاوت فرمائی: "اے نبی! جب تم مسلمان عورتوں کو طلاق دیا کرو تو ان کی عدت کے زمانے میں طلاق دو۔"[1]

اس روایت میں اگرچہ فی مجلس واحدٍ کی تصریح نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آیت ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ...الخ﴾[2] تلاوت فرمانا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد تھی، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ آیت اس موقع پر تلاوت نہ فرماتے کیونکہ طلاقِ ثلاثہ في مجلس واحد کے بغیر یہ آیت بالکل بے جوڑ سی ہو جاتی ہے۔

لیکن ان روایتوں سے زیادہ صاف اور واضح صحیح مسلم اور ابو داود کی یہ روایتیں ہیں:

---

[1] سنن أبي داود، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث:2196.

[2] الطلاق 1:65.

«عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ، وَفِي رِوَايَةٍ: إِنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: هَاتِ مِنْ هَنَاتِكَ! أَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّاحِدَةً، فَقَالَ: قَدْ كَانَ ذٰلِكَ فَلَمَّا كَانَ فِي عَهْدِ عُمَرَ تَتَابَعَ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ وَأَجَازَهُ»

''طاؤس حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور عہد خلافت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں ایک طلاق کا حکم رکھتی تھیں، لیکن کثرت طلاق کی وجہ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں ان کے لیے نرمی اور آسانی تھی، پس میں اگر اس کو نافذ کردوں تو بہتر ہے اس کے بعد سے اُس کو نافذ کردیا۔ ایک روایت میں ہے، ابوصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا جو کچھ آپ کو معلوم ہے اُس کو بیان کیجیے، کیا تین طلاقیں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک نہ تھیں؟ حضرت ابن عباس نے کہا: ہاں، ایسا ہی تھا لیکن جب عمر بن الخطاب کے زمانے میں لوگوں نے کثرت سے تین طلاقیں دینا شروع کیں تو انھوں نے ان کو نافذ کردیا۔''[1]

---

[1] صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث: 1472.

یہ روایتیں نہایت تصریح سے ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ عہد رسالت، عہد خلافتِ صدیق اور عہد خلافت عمر کے ابتدائی دو سال تک عام طور پر تین طلاقیں جو بیک وقت و بیک جلسہ دی جاتی تھیں، ایک طلاق کے حکم میں ہوتی تھیں، اور شوہر کو حق رجعت حاصل رہتا تھا۔ وإن هذا لهو الحق المبين۔

دوسرے گروہ کے دلائل اور ان کا تجزیہ

یہ تصویر کا ایک رخ ہے، اس موقع پر اس گروہ کے استدلال کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو یہ کہتا ہے کہ ''تین طلاقیں جو جملۂ واحد یا مجلس واحد میں دی جائیں تین طلاقیں ہوں گی اور ایسا کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔'' کیونکہ اس کے بغیر فریقین کے دلائل کا صحیح موازنہ نہیں ہوسکتا جن احادیث کی بنا پر اس دوسرے گروہ کی یہ رائے ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

«فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَتَحِلُّ لِلأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الأَوَّلُ»

''صحیح بخاری میں حضرت قاسم کے ذریعہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اس عورت کی شادی ہوئی، پھر اس کو طلاق دے دی گئی، اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اب وہ پہلے شوہر کے لیے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، یہاں تک کہ اس سے دوسرا شوہر بھی متمتع ہو جس طرح کہ پہلا متمتع ہوا تھا۔''[1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمع طلاق ثلاثہ کو رسول اللہ نے ناپسند نہیں فرمایا، اور یہی وجہ اس

---

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب من طلق وهل يواجه الرجل......، حديث:5261، وصحيح مسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلا ثا......، حديث:(114)1433.

کے جواز کی ہو سکتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسی طلاق بیوی کو حرام کر دیتی ہے ورنہ یہاں شوہر اوّل کی طرف رجعت شوہر ثانی کے ذوق عسیلہ پر موقوف نہ ہوتی۔

«عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ أُخْتَ الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ أَبَا حَفْصِ بْنَ الْمُغِيرَةِ الْمَخْزُومِيَّ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ لَهَا أَهْلُهُ: لَيْسَ لَكِ عَلَيْنَا نَفَقَةٌ، فَانْطَلَقَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فِي نَفَرٍ، فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالُوا: إِنَّ أَبَا حَفْصٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، فَهَلْ لَهَا مِنْ نَفَقَةٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَيْسَتْ لَهَا نَفَقَةٌ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ»

''ابوسلمہ سے مروی ہے کہ ضحاک بن قیس کی بہن فاطمہ بنت قیس نے انھیں خبر دی کہ ان کے شوہر ابوحفص نے ان کو تین طلاقیں دیں اور یمن چلے گئے اور اس کے گھر والوں نے کہا کہ تیرا نفقہ ہمارے ذمے نہیں ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ ام المومنین حضرت میمونہ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پوچھا کہ ابوحفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو کیا ان کی بیوی کو نفقہ ملے گا، آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے نفقہ نہیں ہے، ہاں! اس پر عدت واجب ہے۔''[1]

«رَوٰى عَبْدُالرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ عَنْ يَحْيٰى بْنِ الْعَلَاءِ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْوَلِيدِ الْقُرْصَافِيِّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: طَلَّقَ جَدِّي امْرَأَةً لَهُ أَلْفَ تَطْلِيقَةٍ فَانْطَلَقَ أَبِي إِلَى رَسُولِ اللهِ

[1] صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث:1480.

ﷺ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَمَا اتَّقَى اللهَ جَدُّكَ أَمَّا ثَلٰثٌ فَلَهُ وَأَمَّا تِسْعُ مِائَةٍ وَّسَبْعَةٌ وَّتِسْعُونَ فَعُدْوَانٌ وَّظُلْمٌ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ»

''عبدالرزاق نے اپنی کتاب مصنف میں یحییٰ بن العلاء...... سے روایت کی ہے کہ عبادہ بن صامت نے کہا: میرے دادا نے اپنی ایک بیوی کو ہزار طلاقیں دے دیں، میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''تمھارے دادا نے اللہ کا خوف نہ کیا ان میں سے تین طلاقیں تو اس کے لیے ہیں اور بقیہ 997 سرکشی اور ظلم ہیں، اللہ چاہے گا تو عذاب دے گا یا چاہے گا تو بخش دے گا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر کا جو واقعہ ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی اور جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ عبداللہ رجعت کر لیں کیونکہ یہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقۂ طلاق کے بالکل خلاف ہے، اسی واقعہ کی ایک روایت کسی قدر اضافے کے ساتھ بھی پائی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں:

«فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! لَوْ كُنْتُ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا أَكَانَ لِي أَنْ أُرَاجِعَهَا؟ قَالَ: لَا، كَانَتْ تَبِيْنُ وَتَكُونُ مَعْصِيَةً»

''میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا پھر بھی مجھے حق رجعت حاصل رہتا؟ آپ نے فرمایا: نہیں وہ بائن ہو جاتی اور معصیت ہو جاتی۔''[2]

«عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سَهْمِيَّةَ الْبَتَّةَ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا أَرَدْتَّ؟ قَالَ رُكَانَةُ: وَاللهِ! مَا أَرَدْتُّ

---

[1] مصنف عبدالرزاق: 393/6، حديث: 11339 [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 334/7.

إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ»

''نافع روایت کرتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہمیہ کو طلاق بتہ دی، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر کی گئی، آپ نے اُن سے پوچھا: تمھاری مراد کیا تھی، رکانہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک مراد لی تھی، یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوی ان کو لوٹا دی۔''[1]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر رکانہ اس طلاق بتہ سے تین طلاقیں مراد لیتے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتیں جیسا کہ ان کی اس تصریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے جب ایک طلاق مراد لینے کو حلفاً بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی طلاق شمار کی اور اُن کو حق رجعت دے دیا۔

انھی روایات کی بنا پر دوسرے گروہ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ تین طلاقیں جو بیک مجلس دی جائیں، طلاق بائن ہوں گی اور ایسا کرنے والے کی بیوی اُس پر حرام ہو جائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی روایت بھی ان کے اس خیال کی تائید و توثیق نہیں کرتی، پہلی حدیث جو حضرت عائشہ سے مروی ہے، ہر طرح محفوظ و مصئون اور بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس کا مطلب سمجھنے اور اس سے استدلال کرنے میں سہو ہو گیا [أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا] سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ شوہر نے تین طلاقیں بیک جملہ یا بیک مجلس دیں، نہ تو اس روایت میں اس کی کوئی تصریح ہے اور نہ کوئی اشارہ و کنایہ، جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ [طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا] سے ایک یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا مقصود ہے بلکہ بخلاف اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا: [لَا حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تین طلاقیں قرآن مجید کے حکم کے مطابق تطلیقات ثلاثہ متفرقات تھیں۔

كما صرح به بعض الاكابر و صرح العلامة ابن تيمية في الفتاوى.

[1] مسند أحمد: 265/1 والسنن الكبرى للبيهقي، الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة: 339/7 عن ابن عباس ﷺ.

لیکن اس سے الگ ایک بات ہے جو سب سے زیادہ واضح اور یقینی ہے، وہ یہ کہ اس حدیث کا اس بحث میں کوئی مدخل ہی نہیں، دراصل یہ حدیث تو ان لوگوں کے مقابلے میں لائی جاسکتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ زوجۂ مطلقہ شوہر اوّل کے لیے محض عقد ثانی کے وجود کے بعد ہی حلال ہو جاتی ہے، روایت میں [فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ] کے بعد جتنے الفاظ ہیں وہ سب اسی مفہوم کو واضح کرتے ہیں، پس یہ حدیث حیلۂ تحلیل کی تردید میں لائی جاسکتی ہے، نہ کہ طلاقِ ثلاثہ فی مجلس واحد کو طلاق رجعی قرار دینے کی تردید میں۔

دوسری روایت، یعنی حدیث فاطمہ بنت قیس، کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں بھی تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد کی نہ تو تصریح ہے اور نہ اس کے لیے کوئی کنایہ و اشارہ، علاوہ بریں صحیح مسلم میں خود فاطمہ کی روایت امام زہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی روایت سے مذکور ہے:

«إِنَّ زَوْجَهَا أَرْسَلَ إِلَيْهَا بِتَطْلِيقَةٍ كَانَتْ بَقِيَتْ لَهَا مِنْ طَلَاقِهَا»

''ان کے شوہر نے ان کے پاس وہ طلاق بھیجی جو ان کی طلاقوں میں سے باقی رہ گئی تھی۔''[1] اور صحیح مسلم ہی میں ایک اور روایت ان الفاظ میں ہے:

«فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ»

''انھوں نے تین طلاقوں میں سے آخری طلاق اُن کو دی۔''[2]

اور یہ وہ روایت ہے جو آفتاب کی طرح صاف اور روشن ہے كَمَا قَالَ بِهِ الْعَلَّامَةُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِي الْفَتَاوٰى.

تیسری روایت اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی پایہ نہیں رکھتی، اس میں یحییٰ بن العلاء ضعیف اور ابراہیم بن عبید اللہ مجہول ہے، پھر ایسی حدیث سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اور

---

[1] صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقة لها، حديث: (41)-1480.

[2] صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقة لها، حديث: (40)-1480.

تاریخی حیثیت سے اس کی عدم صحت کا یہ واضح ثبوت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت کے والد نے اسلام کا زمانہ ہی نہیں پایا، پھر ان کا اپنے والد کے واقعۂ طلاق کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور استفتا کرنا کیا معنی دارد؟

حضرت عبداللہ بن عمر کے اصل واقعہ و روایت غیر مزید علیہا کی صحت میں کوئی شبہ نہیں لیکن جس روایت کی بنیاد پر مستدل بہا زیادت: [فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا......الخ] نقل کی جاتی ہے اس کے تنہا راوی عطاء خراسانی ہیں جن کی نسبت علمائے فن رجال میں اختلاف ہے، سعید بن مسیّب ان کی تکذیب کرتے اور ضعیف ٹھہراتے ہیں، شعبہ کہتے ہیں کہ وہ بہت بھولتے تھے، لیکن سب سے زیادہ صحیح رائے امام ابن حبان کی ہے، وہ کہتے ہیں:

«كَانَ كَثِيرَ الْوَهْمِ، سَيِّءَ الْحِفْظِ، يُخْطِيءُ وَلَا يَدْرِي، فَلَمَّا كَثُرَ ذٰلِكَ فِي رِوَايَتِهِ بَطَلَ الْاِحْتِجَاجُ بِهِ»

''وہم بہت تھا، حافظہ خراب تھا، غلطیاں کرتے تھے اور ان کو محسوس نہیں کرتے تھے، پس جب یہ باتیں بہت زیادہ ترقی کر گئیں تو ان کی روایات سے استدلال کرنا باطل ہو گیا۔''

اور زیادت: [فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَوْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، كَانَتْ تَحِلُّ لِي......] ان کے سوا کسی دوسرے راوی کی روایت میں موجود نہیں، تمام حفاظ حدیث اس زیادت میں اُن کے مخالف ہیں، پھر اس پر مزید یہ کہ اس روایت میں شعیب بن رُزیق شامی یا بقول بعض رزیق بن شعیب شامی کا نام موجود ہے جو قطعاً ہر شخص کے نزدیک ضعیف ہے۔

پانچویں روایت نافع ابن عجیر کی بھی، جو مجہول الحال ہے، اس قابل نہیں کہ ابن جریج و معمر وغیرہ کی روایت پر اُس کو ترجیح دی جائے، امام بخاری کا قول ہے کہ اس روایت میں اضطراب

۔صاحب ترمذی نے امام بخاری سے بہ تصریح یہ روایت کی ہے کہ اس حدیث میں اس طرح اضطراب پایا جاتا ہے کہ بعض روایتوں میں [طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سَهْمِيَّةَ الْبَتَّةَ] مروی ہے اور بعض روایتوں میں [طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سَهْمِيَّةَ ثَلَاثًا] دوسرے یہ کہ اس کے رجال اسناد میں زبیر بن سعید ہاشمی ہے جس کو متعدد ائمہ حدیث و رجال نے ضعیف کہا ہے۔ نافع کی روایت کے متعلق علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

«وَالْمَرْوِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي حَدِيثِ رُكَانَةَ مِنْ وَّجْهَيْنِ، هُوَ رِوَايَةُ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِّنْ وَّجْهَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ وَهُوَ أَثْبَتُ مِنْ رِّوَايَةِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ وَنَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ أَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، اسْتَحْلَفَهُ، فَقَالَ: مَا أَرَدْتُّ إِلَّا وَاحِدَةً، فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ مَجَاهِيلُ لَا تُعْرَفُ أَحْوَالُهُمْ، وَلَيْسُوا فُقَهَاءَ، وَقَدْ ضَعَّفَ حَدِيثَهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَّأَبُوعُبَيْدٍ وَّابْنُ حَزْمٍ وَّغَيْرُهُمْ»

''حدیث رکانہ میں عکرمہ کی روایت ابن عباس سے زیادہ صحیح و ثابت ہے، بہ نسبت اس روایت کے جس کو عبداللہ بن علی بن یزید اور نافع بن عجیر روایت کرتے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتّہ دی اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے قسم لے کر ان کی مراد پوچھی تو انھوں نے بیان کیا کہ صرف ایک مراد لی تھی، اس لیے کہ یہ لوگ مجہول الحال ہیں اور فقیہ نہیں ہیں، نیز ان کی حدیث کو امام احمد، ابوعبید اور ابن حزم وغیرہ نے ضعیف ٹھہرایا ہے۔''[1]

اس روایت بلفظ البَتَّة کے متعلق امام احمد کے الفاظ ہیں: (وَطُرُقُهُ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ)''اس

[1] فتاوى ابن تيمية:33:86.

کے تمام طرقِ روایت ضعیف ہیں۔"

(وَحَدِيثُ رُكَانَةَ فِي الْبَتَّةِ لَيْسَ بِشَيْءٍ) "اور رُکانہ کی روایت بلفظ البتۃ کوئی چیز نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں سے کوئی حدیث صحیح بھی اس دوسرے گروہ کے خیال کی تائید نہیں کرتی۔

حضرت ابن عباس کی روایت:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا أَمْرًا كَانَ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»

"عہد رسالت، عہد خلافتِ صدیق، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں ایک طلاق کا حکم رکھتی تھیں لیکن کثرتِ طلاق کے واقعات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس امر میں جلدی کی جس میں اُن کے لیے نرمی اور سہولت تھی، پس اگر میں اس کو اُن پر نافذ کر دوں تو بہتر ہے، پھر آپ نے اُس کو نافذ کر دیا۔"

کے متعلق اس دوسرے گروہ کے افراد کا عجیب وغریب حال ہے، کبھی تو وہ اُس کے ابتدائی حصے کو اپنے مقصود کے خلاف سمجھ کر اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نہیں لیا اور امام مسلم رحمہ اللہ اس کی روایت میں امام بخاری سے منفرد ہیں لیکن ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا صرف یہی ایک حدیث ہے جس میں امام مسلم منفرد ہیں؟ اور کیا آپ حضرات کے نزدیک ہر وہ حدیث جس میں امام مسلم منفرد ہوں ساقط الاعتبار ہے؟ کیا امام بخاری نے کہیں یہ لکھ دیا ہے کہ ہر وہ حدیث جس کو ہم نے صحیح میں داخل نہیں کیا وہ باطل و

...یف ہے؟ اور ہاں! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ امام بخاری نے بہت سی ایسی احادیث سے احتجاج کیا ہے جن کا ذکر ان کی صحیح میں نہیں ہے اور متعدد ایسی احادیث کی انھوں نے توثیق و تصحیح کی ہے جس کو خود انھوں نے صحیح میں داخل نہیں کیا۔

اور پھر کبھی یہی لوگ اس روایت کے آخری ٹکڑے کو اپنے دعوے کے مطابق خیال کر کے اس کو اپنے قول کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اپنی درستیٔ رائے کے جوش میں مختلف تاویلوں سے اس کی اہمیت کو بڑھاتے ہیں اور اسی سلسلے میں تائید مزید کے طور پر یہ واقعہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اسی روایت کی بنیاد پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد کے لزوم کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود یہی روایت ان کی کمزور حیثیت کا راز فاش کر دیتی ہے کیونکہ اس روایت سے اتنا تو یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت، عہد خلافت صدیق اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک عام طور پر بلا اختلاف ایسی تین طلاقیں جو بیک مجلس دی جاتی تھیں، صرف ایک طلاق کے حکم میں ہوتی تھیں اور یقینی طور پر یہ طلاق رجعی ہے، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانے میں دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کو ایک معمولی درجے کی چیز خیال کر لیا ہے اور لگاتار طلاق ثلاثہ کے واقعات آئے دن بکثرت پیش آتے رہتے ہیں تو آپ نے یہ مناسب خیال کیا کہ لوگوں کو اس نامناسب طرز عمل سے روکنے کے لیے ایسی طلاقوں کو طلاق بائن قرار دے دیا جائے تاکہ لوگ نتیجے کی سختی و ناخوشگواری محسوس کر کے آیندہ اپنے طرز عمل کو بدلنے پر مجبور ہو جائیں۔

گروہ ثانی (وہ لوگ جو تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد کو طلاق بائن قرار دیتے ہیں) کا یہ خیال ہے کہ حضرت عمر کا یہ فعل حکم سابق کے لیے ناسخ ہے لیکن اس نسخ کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شریعت اپنی امت کے لیے چھوڑی اس میں آپ کے بعد کسی کو ترمیم واضافہ کا حق نہیں ہے، کسی خاص مسئلے میں نفی واثبات دونوں قسم کے پہلو

نکالنے کی صورت زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں قسم کی روایتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت کی جائیں، لیکن زیر بحث مسئلہ اس صورت میں بھی حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو لاکھوں ایسے اصحاب موجود تھے جنھوں نے آپ کے اوامر و نواہی اور گفتگوئیں سنی تھیں، اس بڑی تعداد میں سے دس بیس بھی ایسے اصحاب نہیں نکل سکے جنھوں نے تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد یا بِفَمٍ وَاحِدٍ (ایک ہی دفعہ) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت کی ہو کہ آپ نے ایسی تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا، بخلاف اس کے عہد رسالت، عہد خلافت صدیق اور خلافت عمر کے ابتدائی دو سال تک تمام مسلمانوں کا جو طرز عمل رہا وہ اس بات کی کافی شہادت ہے کہ تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد یا بِفَمٍ وَاحِد طلاق رجعی ہے۔

تمام صحابہ کی جماعت میں بمشکل چار پانچ شخص ایسے نکل سکتے ہیں جن کی رائے بہ ثبوت اختلاف ایسی طلاق کو طلاق بائن قرار دیتی ہو، مثلاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے ایک کی بنا پر طلاق زیر بحث طلاق رجعی قرار پاتی ہے اور دوسرے کی بنا پر طلاق بائن۔ دوسرے حضرت ابن مسعود ہیں جن کے ایک قول کی بنا پر یہ طلاق طلاقِ بائن قرار پاتی ہے اور دوسرے قول میں توقف ہے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے، لیکن اس کے سوا تمام صحابہ کی بے شمار تعداد ایسی طلاق کو طلاق رجعی قرار دیتی ہے، اس کثرت تعداد کے علاوہ اصولاً یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ مذہبی نقطۂ نظر سے جب صحابہ کی روایت ان کی رائے سے مخالف ہو تو ہم کس کے پابند ہونے پر مجبور ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ ہم ان کی رائے کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں تو ہمیں اس سے قطعاً اختلاف ہے کیونکہ ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں صحابہ کی رائے ان کی روایت کردہ احادیث کے خلاف ہے اور علمائے سلف نے ان کی روایت کو لیا اور ان کی رائے کو چھوڑ دیا، مثلاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

ی ہے کہ بَیْعُ الْأَمَةِ طَلَاقُهَا ''لونڈی کو فروخت کر دینا اس کی طلاق ہے''، لیکن انھی کی روایت سے حدیث بیع وعتاق بریرہ اور اُس کی تخییر مروی ہے، علمائے مذاہب اربعہ نے ان کی اس روایت کو تو تسلیم کیا لیکن ان کے فتوے کی تقلید اپنے لیے ضروری نہیں خیال کی یا مثلاً: حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔ لیکن ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، علماء نے ان کی روایت لی ہے مگر ان کے فتوے کو چھوڑ دیا، یہاں اگر اس قسم کی مثالیں جمع کی جائیں تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے، سیکڑوں مواقع ہیں جہاں علماء نے صحابہ کی رائے کو نظر انداز کر دیا ہے، آیت ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾[1] کی حضرت ابن عمر نے جو تفسیر کی ہے، جمہور علماء نے اُس کو نظر انداز کر دیا ہے، حدیث اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ کی انھوں نے جو تشریح کی وہ اگرچہ ظاہر حدیث کے مطابق ہے، پھر بھی امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ کیا یہ سب اسی اصول کے تحت میں نہیں ہے؟ کہ [إِنَّمَا الْاِعْتِبَارُ بِمَارَوَوْهُ لَا مَارَأَوْهُ وَفَهِمُوْهُ] ''صحابہ نے جو روایت کی وہ بے شبہہ قابل تسلیم وسند ہے لیکن جو کچھ وہ سمجھتے یا جس کا انھوں نے فتویٰ دیا اس کی پیروی ہم پر لازم نہیں ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل (تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد کو طلاق بائن قرار دینا) نہ تو اصل حکم شریعت (ایسی طلاق، طلاق رجعی ہے) کے لیے ناسخ ہے اور نہ ہم حدیث کے مقابلے میں بعض صحابہ کے فتوے کی پیروی پر مجبور ہیں، حضرت عمر نے جو کچھ کیا وہ نسخ نہیں بلکہ تعزیر ہے، یعنی یہ کہ جب لوگوں نے شریعت کے منشا کے خلاف کثرت طلاق پر عمل شروع کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ طلاق کی اہمیت واستکراہ کا خیال ان کے دلوں سے زائل ہو چکا تھا تو بحیثیت خلیفۂ وقت حضرت عمر نے یہ اپنا فرض تصور کیا کہ اس مذموم طرز عمل سے لوگوں کو

---

[1] البقرۃ 223:2.

باز رکھیں، اس لیے آپ نے تعزیرًا یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کی بیوی اُس پر حرام ہوگی، غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل صرف تعزیری حیثیت رکھتا ہے جس کے بوقت ضرورت اجراء کا ایک خلیفہ کو یقیناً حق ہے اور اس قسم کی تعزیر کی متعدد مثالیں خود عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مل سکتی ہیں، مثلاً: ایک یہی کہ شرابیوں کی سزا پہلے چالیس کوڑے تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اَسّی (80) کوڑے تک پہنچا دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے ایسا بھی کیا ہے کہ بعض شرابیوں کے سر منڈوا کر اُن کو شہر بدر کر دیا، اہل قبلہ (مسلمان) سے جنگ کرنا شریعت نے جائز نہیں رکھا لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے تو آپ نے کیا اور اہل قبلہ کے خلاف تلوار اٹھائی۔ مگر کیا اس کی حیثیت تعزیر سے کچھ زیادہ تھی؟ واقعہ یہ ہے کہ ان ناگزیر مواقع پر اصل حکم کے خلاف جو کچھ کیا گیا وہ صرف وقتی تعزیر کے حکم میں ہے، یعنی جب نہایت تنگی و مجبوری کی حالت پیش آ گئی تو خلفاء نے ہنگامی طور پر تعزیرًا لوگوں کو ان کے ان حقوق سے محروم کر دیا جن کے وہ از روئے احکام شریعت مستحق تھے، پس ان مستثنیٰ حالات کے سوا اصلی حکم شریعت آج تک بجنسہٖ قائم و باقی ہے، البتہ خلفائے راشدین کی ان مثالوں کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آج بھی کوئی خلیفہ و امام جب نہایت تنگ اور مجبورانہ حالت میں گرفتار ہو جائے تو ان کی پیروی کرتے ہوئے وقتی طور پر اس قسم کا تعزیری طرز عمل اختیار کر سکتا ہے:

ہم اس مسئلے میں روایات کے تتبع سے اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ عہد رسالت سے لے کر عہد خلافت عمر کے ابتدائی دو سال تک واقعتاً بلا اختلاف تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد یا بِفَمٍ وَاحِدٍ (ایک ہی دفعہ) طلاق رجعی تھی، اختلاف رائے کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس وقت ہوا جب آپ نے کثرت واقعۂ طلاق کی بنیاد پر تعزیرًا ایسی طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت علی یا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہم جو ایسی

...نوں کو طلاق بائن قرار دیتے ہیں تو اپنے فتوے کی بنیاد پر قرار دیتے ہیں، نہ کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی روایت کی بنیاد پر۔ کیونکہ ایسی کسی روایت کا پتہ نہیں چلتا کہ مذکورہ بالا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی جب یہ فتویٰ دیا تو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پیش کی ہو، اس خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ و اعلان کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کبھی کبھی فتویٰ دیتے وقت ایسی حالت ظاہر کی جس سے ان کے تردد و تذبذب کی کیفیت عیاں ہوتی تھی اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر تردد و تذبذب کا سبب حکم سابق اور موجودہ حکم کا اختلاف ہی ہوگا، ذیل کا واقعہ اس کا ثبوت ہے۔

«عَنْ مُّجَاهِدٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، قَالَ: فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ ثُمَّ يَقُولُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! يَاابْنَ عَبَّاسٍ! وَإِنَّ اللهَ قَالَ: ﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝﴾ وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللهَ فَلَمْ أَجِدْ لَكَ مَخْرَجًا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: «يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ»

’’مجاہد روایت کرتے ہیں کہ میں ابن عباس کے پاس تھا تو ایک شخص آیا اور اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس یہ سُن کر اتنی دیر چپ رہے کہ مجھے اس کا شبہ ہوا کہ وہ اُس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیں گے لیکن حضرت ابن عباس نے دفعتاً کہا: تم لوگ حماقت کرتے ہو اور پھر چلّاتے ہو: یا ابن عباس یا ابن عباس! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لیے جائے گریز ہے۔‘‘ مگر تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، اس لیے میں تمھارے لیے کوئی

جائے پناہ نہیں پاتا، تم نے اللہ کی نافرمانی کی، اس لیے تمھاری بیوی تم سے جدا ہوگئی اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے: ''اے نبی! مسلمان جب عورتوں کو طلاق دیں تو آغاز عدت میں دیا کریں''۔ [1]

اسی قسم کی ایک اور روایت ہماری نظر سے گزری ہے جس کے متعلق گو اس وقت صحیح طور پر یاد نہیں کہ زاد المعاد یا نیل الأوطار یا کسی اور کتاب میں نظر سے گذری تھی، تاہم اصل روایت کے وجود میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مقام پر حضرت عبداللہ بن عباس یا حضرت عبداللہ بن مسعود مع چند اور اشخاص کے تشریف فرما تھے، ایک شخص آیا اور اس نے یہی سوال پیش کیا، آپ تھوڑی دیر چپ رہے تو حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے کہا: لَقَدْ أَتَاكُمُ الْمُعْضِلَةُ ''بے شک ایک مشکل سوال آپ کے سامنے آیا ہے۔''

ایسے مواقع پر ان حضرات کے اس قسم کے سکوت و تذبذب سے بظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ اس وقت جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً ایسی طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا تھا تو فتویٰ دینے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے قدیم و جدید حکم کے اختلاف کی وجہ سے دراصل ایک مشکل و دشوار حالت پیدا ہوگئی تھی لیکن بایں ہمہ جو خلیفۂ وقت کا فیصلہ و فرمان تھا، ان کو اس کا اتباع کرنا چاہیے تھا، اس لیے وہ اسی قسم کا فتوی دیتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی اختلاف متأخرین علماء کے اختلاف کی بنیاد ہے جس پر انھوں نے اپنے خیالات کی عمارت قائم کی ہے اور آخر میں دو مختلف طرز عمل کے دو گروہ پیدا ہوگئے ہیں، اگرچہ دونوں کا مقصد ایک ہی، یعنی کثرت طلاق کو روکنا ہے لیکن ایک گروہ نے اس مقصد کے حصول کا یہ طریقہ اختیار کیا اور مسئلہ طلاق میں اس درجہ سختی برتی کہ معمولی سی بے عنوانی بھی ایک

---

[1] سنن أبي داود، الطلاق، باب نسخ المراجعة......، حديث: 2197، وفتح الباري، الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث: 362/9.

ہر کو اس کی بیوی سے محروم کر سکتی ہے تاکہ لوگ اس طرح طلاق دینا کیا معنی بلکہ طلاق کے تخیل سے بھی ڈر جائیں اور اس سے بچتے رہیں۔ لیکن دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ہمیں اس تنگ گیری وتشدد کا کوئی حق نہیں، ہر شرعی معاملے میں ہمارے لیے بہترین اُسوہ خود رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل ہے آپ نے جس موقع پر سخت گیری کی ہو ہم بھی وہاں پر کر سکتے ہیں لیکن جس موقع پر آپ ﷺ نے نرمی اختیار کی ہے ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم امت مسلمہ کو اس رحمتِ عالم کی رحمت و رأفت سے محروم کر دیں۔ وَلَعَلَّ هٰذَا الْقَوْلَ هُوَ أَقْرَبُ إِلَى الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ. ''امید ہے یہ بات حق اور درستی کے زیادہ قریب ہے۔''[1]

[1] ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، جلد: 9، شمارہ 2,1، جنوری، فروری 1922ء۔

پاکستانی علمائے احناف

مولانا پیر کرم شاہ ازہری (حنفی بریلوی)

پیر صاحب موصوف جامعہ ازہر (مصر) کے تعلیم یافتہ تھے۔ جب یہ جامعہ ازہر سے فارغ ہو کر آئے تھے تو اس وقت انھوں نے اسی مسئلہ طلاقِ ثلاثہ پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی اور اس کا نام انھوں نے رکھا تھا ''دعوتِ فکر ونظر'' (مطبوعہ، خالد پرنٹنگ پریس، سرگودھا) یہ نام انھوں نے اس لیے تجویز کیا تھا کہ اس میں انھوں نے علمائے احناف کو غور وفکر کی دعوت دے کر اس بات کی تلقین فرمائی تھی کہ وہ اس مسئلے میں اہل حدیث کے مسلک کو اپنائیں جیسے مصر وغیرہ میں بھی اپنایا گیا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب میں انھوں نے علمائے احناف کے آیات اور احادیث سے استدلال کو نہایت کمزور قرار دیا ہے جن سے وہ تین طلاقوں کے وقوع کا اثبات کرتے ہیں اور ان کے استدلال کے ضعف کو بڑی صراحت اور دلائل سے واضح کیا ہے۔

دوسرے نمبر پر وہ دلائل بیان کیے ہیں جن سے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کا ایک ہی طلاق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تیسرے نمبر پر احناف، اہل حدیث کے دلائل کا جو جواب دیتے ہیں، پیر صاحب نے ان

جواب الجواب دے کر اہل حدیث کے موقف کو مزید مضبوط اور مؤکد کیا ہے۔

چوتھے نمبر پر انھوں نے اس مسئلے کو بھی واضح کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہوتے ہوئے کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ کسی اور فقہ اور مسلک کی بات پر عمل کر لیا جائے۔ اس کا جواب انھوں نے اثبات میں دیا ہے۔ یہ آخری بات انھی کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''ابھی ایک سوال جواب طلب باقی ہے وہ یہ کہ کیا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہوتے ہوئے اصولِ شریعت ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ ان ناگزیر مجبوریوں میں ہم کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کریں؟

اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد علی وجہ البصیرت کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

علامہ محقق کمال بن ہمام الحنفی اپنی کتاب التحریر اور ابن أمیر الحاج التحریر کی شرح التقریر و التحبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

«فَلَوِ الْتَزَمَ مَذْهَبًا مُّعَيَّنًا (كَأَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ) فَهَلْ يَلْزَمُهُ الْاِسْتِمْرَارُ عَلَيْهِ فَلَا يَعْدِلُ مِنْهُ فِي مَسْئَلَةٍ مِّنَ الْمَسَائِلِ؟ (فَقِيلَ: يَلْزَمُ) لِأَنَّهُ بِالْتِزَامِهِ يَصِيرُ مُلْزَمًا بِهِ كَمَا لَوِ الْتَزَمَ مَذْهَبَهُ فِي حُكْمِ حَادِثَةٍ مُّعَينَةٍ وَّلِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ الْمَذْهَبَ الَّذِي اِنْتَسَبَ إِلَيْهِ هُوَ الْحَقُّ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِهِ وَجَبَ اعْتِقَادُهُ (وَقِيلَ: لَا) يَلْزَمُ، وَهُوَ الْأَصَحُّ»[1]

اب کتب فقہ پر غور فرمائیے! وہاں آپ کو تصریحات ملیں گی کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق فقہائے احناف نے فتوے دیے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

[1] التقریر و التحبیر علی التحریر: 350/3.

علامہ شامی زوجہ مفقود الخبر کے متعلق لکھتے ہیں:

«قَالَ الْقُهُسْتَانِي: لَوْ أُفْتِيَ بِقَوْلِ مَالِكٍ فِي مَوْضِعِ الضَّرُورَةِ لَا بَأْسَ بِهِ عَلَى مَا أَظُنُّ ۔ وَقُلْتُ: نَظِيرُ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ عِدَّةُ مُمْتَدَّةِ الطُّهْرِ الَّتِي بَلَغَتْ بِرُؤْيَةِ الدَّمِ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ امْتَدَّ طُهْرُهَا فَإِنَّهَا تَبْقٰى فِي الْعِدَّةِ إِلٰى أَنْ تَحِيضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ، وَعِنْدَ مَالِكٍ تَنْقَضِي عِدَّتُهَا بِتِسْعَةِ أَشْهُرٍ وَقَدْ قَالَ فِي الْبَزَازِيَّةِ: الْفَتْوٰى فِي زَمَانِنَا عَلٰى قَوْلِ مَالِكٍ»[1]

اسی طرح طحطاوی میں مذکور ہے۔

فتاوٰی مولانا عبدالحی رحمہ اللہ سے بھی دو مثالیں سُن لیجیے۔

پہلی مثال

سوال: زید نے اپنی عورت سے غصے کی حالت میں کہا: میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی۔ اس تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں واقع نہ ہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس خاص صُورت میں عمل کرنے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور مفاسد زائدہ کا احتمال ہو۔ اگر تقلید کسی امام کی کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ اس کی نظیر مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت مُمْتَدَّة الطهر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ ردالمختار میں مفصلاً مذکور ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے پوچھ کر اس کے فتویٰ پر عمل

[1] شامي، ص:3/362.

ے۔ واللہ أعلم.“[1]

دوسری مثال

(سوال): زید کو عمرو دھوکہ دے کر اپنے گھر لے گیا۔ اور چند آدمیوں کو بلا کر زید سے اس کی بیوی کو جبرًا تین طلاقیں دلائیں۔ چونکہ زید اور اس کی بیوی میں محبت بہت ہے۔ اب جدائی از حد شاق ہے، لہٰذا بضرورت بہ تقلید مذہب شافعی نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(جواب): ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید درست ہے۔[2]

مسئلے کے سارے پہلو آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی عقلی اور نقلی دلیلیں اور ان پر ہر طرح کی ردو قدح بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اب آپ خود اس کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ اس ناچیز کی ناقص رائے میں تو ان حالات میں علمائے مصر اور علمائے جامعہ ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا ارجح ہے۔“[3]

اور علمائے مصر اور علمائے جامعہ ازہر کا فتویٰ کیا ہے؟ یہی کہ ایک مجلس کی تین طلاق، ایک طلاق رجعی ہے جس میں عدت کے اندر رجوع اور عدّت گزرنے کے بعد بغیر تحلیل کے دوبارہ نکاح جائز ہے۔

پیر صاحب موصوف کی یہ کتاب بھی کتاب ”ایک مجلس کی تین طلاق“ نامی کتاب میں شامل ہے جس میں بھارت کے علمائے احناف کے مقالے اور اس سیمینار کی پوری کارروائی شامل ہے جس کا اہتمام مسئلہ زیرِ بحث ہی کے لیے کیا گیا تھا۔

---

[1] حررہ الراجي عفو ربه القوي محمد عبدالحی، مجموعة الفتاوٰی (اُردو):68/2.

[2] مجموعة الفتاوٰی:220/3.

[3] دعوت فکر ونظر، آخری صفحہ۔

پیر صاحب موصوف کی یہ کتاب راقم الحروف (صلاح الدین یوسف) ہی کی نظر ثانی کے بعد مذکورہ کتاب میں حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے ارشاد پر شامل کی گئی تھی، حضرت الاستاذ ہی کے حکم پر راقم نے پیر صاحب کی کتاب میں شامل احادیث اور متعدد عربی عبارتوں کے اردو ترجمے بھی کیے تھے۔ اصل کتاب میں اکثر جگہوں پر اردو ترجمہ نہیں ہے۔

مولانا عبدالحلیم قاسمی

یہ مدرسہ جامعہ حنفیہ قاسمیہ، گلبرگ لاہور کے بانی و مہتمم اور علمائے احناف پاکستان کے صدر تھے۔ 1979ء میں جب حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی کوشش اور خواہش پر مذکورہ سیمینار (مذاکرۂ علمیہ) کے مقالات پاکستان میں چھپے جس میں پیر کرم شاہ ازہری کا رسالہ ''دعوتِ فکر و نظر'' بھی شامل کر دیا گیا تھا تو یہ کتاب جب مولانا عبدالحلیم قاسمی مرحوم کی نظر سے گزری تو بڑے خوش ہوئے اور حضرت الاستاذ کے نام انھوں نے ایک مکتوب لکھا جس میں اس کتاب کی اشاعت پر مسرّت کا اظہار کیا اور اسے وقت کا تقاضا قرار دیا۔ یہ مکتوب ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں شائع کر دیا گیا تھا، اس کے کچھ عرصے بعد ہی ملتان میں یہ مسئلہ اہل حدیث واحناف کے مابین بحث و تکرار کا موضوع بنا تو ملتان کے بعض اہل حدیث حضرات نے مولانا قاسمی کی طرف رجوع کیا، مولانا مرحوم نے اس مسئلے پر ان کو بھی دو خط تحریر کیے اور اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا۔ قارئین کرام یہ تینوں خطوط ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب بنام ''الاعتصام'' بسلسلہ ''ایک مجلس کی تین طلاقیں''

گرامی قدر جناب مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کتاب ''مجموعۂ مقالات علمیہ'' جو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے سلسلے میں

آپ نے شائع کی ہے یہ تقاضۂ وقت کے عین مطابق ہے۔

ہمارے معاشرے میں یہ عام رواج ہے کہ معمولی تنازعہ کی صورت میں عورتوں کو طلاق دینا ایک فیشن بن گیا ہے۔ رشتے اور نکاح کے وقت تو احتیاط برتی جاتی ہے اور نکاح کے ضروری احکام کو پیشِ نظر رکھ کر سنّتِ نکاح ادا کی جاتی ہے، اجازت ولی، گواہ، حق مہر، بیوہ اور مطلقہ کی اجازت، رضا مندی وغیرہ۔ لیکن طلاق کے وقت تمام شرعی احکام کو یکسر نظر انداز کر کے اشٹام فروش کے لکھے ہوئے غیر شرعی طلاق نامہ پر تصدیق کر دی جاتی ہے جس کا اثر معاشرے پر بہت گہرا ہے۔ مفتی صاحبان بھی آنکھیں بند کر کے حلالے کی ترغیب میں فتویٰ داغ دیتے ہیں جس کو غیرت مند مسلمان پسند نہیں کرتا۔ اندریں حالات اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ شرعی احکام اس غیر شرعی طلاق کے بارے میں واضح کر دیے جائیں۔

الحمد للہ ہر دور میں اس بارے میں علمائے حق نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے عوام کو آگاہ کیا لیکن ان کی انفرادی کوشش محدود حد تک رہی، آپ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے اس مسئلے میں ''الاعتصام'' کے ذریعے اور اب کتابی صورت میں ہندو پاکستان کے ہر مکتب فکر کے جید علماء کی رائے یکجا مجموعے کی صورت میں شائع فرما کر ایک اجتماعی کوشش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ علمی کتاب تمام مدارس عربیہ اور مفتی صاحبان کے پیش نظر رہے تا کہ طالبین حق مستفید ہوں اور طلاق کے معاملے میں غیر شرعی اقدامات سے گریز کریں جو مظلوم عورتیں سالہا سال سے تحریری طلاق نہ ملنے کی وجہ سے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں انھیں واضح کیا جائے کہ شریعت مطہرہ کی رُو سے نکاح اور طلاق زبانی ہوتا ہے نہ کہ تحریری۔ اور خلع طلاق کا علم بھی پھیلایا جائے تا کہ مظلوم عورتوں کی دادرسی ہو سکے۔ بہر حال اس سلسلے میں مزید کام کی ضرورت ہے۔ والسلام مع الإکرام

محمد عبدالحلیم قاسمی، کان اللّٰہ لہ ولوالدیہ
جامعہ قاسمیہ گلبرک لاہور
صدر مرکزی جمعیت علمائے احناف پاکستان
25- جنوری 1980.
(''الاعتصام'' لاہور۔15 فروری 1980ء)

مکتوبِ ملتان:1

2 رجب المرجب 1402ھ 7 مئی 1981ء۔

محترم ومکرم جناب محمد طفیل صاحب حفظہ اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا مکتوب کاشف وصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے جس طریقِ احسن پر مسئلے کو واضح کیا اور لکھا ہے۔

① اور ہمارے متاخرین فقہائے کرام نے اس مسئلے میں کہ طلاق ثلاثہ ایک مجلس میں تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا جب تک دوسرا نکاح نہ ہو پہلے خاوند کے لیے عورت حلال نہیں ہوتی۔ اگر اس پر عمل درست کیا جاتا تب بھی کوئی بات تھی۔ اس میں شرط یہ ہے کہ عدت کے بعد عورت اپنی خوشی سے کسی سے نکاح کرے، دوسرا خاوند اپنی خوشی سے جب چاہے طلاق دے۔ عدت کے بعد اگر عورت پہلے خاوند کے پاس آنا چاہتی ہے تو آجائے اس کے لیے سال دو سال کا عرصہ درکار ہے۔ اب اس معاملے کو حلالے کے نام سے مشروط نکاح کسی شہوت پرست مرد سے کر دیا جاتا ہے۔ اور صبح اس عورت کو پہلے خاوند کے حوالے کر کے ﴿حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ط﴾[1] پر عمل ظاہر کیا جاتا ہے جو سراسر لغو اور لعنتیوں کا کام ہے۔ کوئی غیرت مند آدمی اپنی عورت کو گائے بھینس اور بکری بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ کچھ ہو رہا ہے۔

---

① البقرة 2: 230.

اللہ کی پناہ مختلف علاقوں میں حلالہ نکالنے کے خاص آدمی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

② نکاح اور طلاق کے واضح احکام شریعت حقہ نے مقرر کر دیے ہیں اگر ان احکام کی پابندی کی جائے تب نکاح ہوتا ہے۔ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے اگر کوئی بد بخت ان سے نکاح رچالے تو نکاح ہو جائے گا؟ اسی طرح بغیر اجازت کے نکاح کر لینا بغیر گواہوں کے یا بغیر حق مہر نکاح درست نہیں ہوگا۔ اس معاملے میں احتیاط بھی کی جاتی ہے۔ اسی طرح منکوحہ کو طلاق دینے کا بھی طریقہ اسلام نے بتایا ہے۔ جس طرح کہ آپ نے بھی مرسلہ پرچہ میں لکھا ہے۔ ایک آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے شریعت کے خلاف طلاق دیتا ہے تو وہ طلاق نہیں ہوتی۔ جس طرح حضرت طاؤس رحمہ اللہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ اگر طلاق غیر شرعی کو تسلیم کیا جائے تو وہ صرف ایک طلاق ہے۔ یہ ایک مجلس میں ہزار بھی دے تو صرف ایک طلاق شمار کی جائے گی۔

③ یہ کسی مولوی یا ملاں کا فیصلہ نہیں، یہ فیصلہ سرورِ کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے جس کی موجودگی میں کسی کا فیصلہ قابلِ قبول نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کی وقعت ہے۔ کسی قاضی یا جج کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف لکھنا یا فیصلہ دینا سخت گناہِ کبیرہ ہے۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

”تیرے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو فیصل نہ تسلیم کر لیں جس میں وہ جھگڑتے ہیں......۔“[1]

یہ بالکل درست ہے کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں دو سال تک اسی پر عمل رہا ہے۔

[1] النسآء 4:65.

④ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے، سیاستًا ایک مجلس میں تین طلاقوں کو تین تسلیم کرلیا تھا۔ یہ آپ کی سیاست تھی جس میں تبدیلی کا امکان ہے، چنانچہ اکثر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس معاملہ میں اختلاف فرمایا ہے جو کتب احادیث میں با دلائل موجود ہے۔ آج تک کسی مفتی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ یہ لکھ کر دے کہ یہ فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لکیر کے فقیر بن کر غلط راستے پر گامزن ہیں اور ایک ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو سراسر سفاح (بدکاری) ہے، اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں لعنتی قرار دیا ہے۔ اور مانگا ہوا بکرا اس کو فرمایا جو زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔

⑤ اس خط کے ہمراہ رسالہ تذکرہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ارسال ہے جس کے صفحہ 41 پر اس مسئلے کو افادۂ عوام کے لیے شائع کر دیا ہے۔ اس میں تمام کتب احادیث اور فقہ کے حوالہ جات درج ہیں۔ آپ دیکھ اور پڑھ کر قلبی مسرت پائیں گے۔ نماز کی کتاب بھی ارسال ہے۔ ہندوستان میں ایک مجلس مذاکرہ ہوئی تھی جس میں مختلف حضرات نے اس مسئلے پر مقالات پڑھے تھے۔ وہ کتابی شکل میں ادارہ الاعتصام نے شائع کیا ہے۔ اس میں ایک مقالہ پیر کرم شاہ صاحب کا بھی ہے جو مسلکًا بریلوی اور حنفی ہیں۔

⑥ ہمارے اکثر علماء فتوی دیتے وقت گھبراتے ہیں، حالانکہ اظہارِ حق علماء کے فرائض میں داخل ہے۔ الحمد للہ، عرصہ چالیس سال سے مسلسل لکھ رہا ہوں۔ کسی اہل علم نے آج تک اعتراض نہیں کیا بلکہ خوش ہیں۔ الحمد للہ راقم الحروف نہ صرف حنفی بلکہ علمائے احناف پاکستان کا صدر ہے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾[1]

---

[1] الحدید 21:57.

مرسلہ پمفلٹ کو مزید خوبصورت شائع کر کے تقسیم کریں۔ نقطۂ نظر اس طرح لکھا جائے، دو تین جگہ کاتب نے غلط لکھا ہے، اس پر فوٹو شائع کرنا بے ادبی ہے۔ میرے اس خط کو آپ شائع کر سکتے ہیں۔ والسلام مع الاکرام

محمد عبدالحلیم قاسمی، کان اللہ لہ ولوالدیہ

مکتوبِ ملتان 2:

21 رمضان المبارک 1402ھ / 13 جولائی 1982ء۔

بعد از سلام مسنون

آپ کے دونوں خط وصول ہوئے، پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ ایک معمولی بات پر تنازعہ کھڑا کرنا اور مقدمہ بازی میں مبتلا ہو جانا بہت بری بات ہے۔ کیا برادری میں کوئی بھی رجل رشید نہیں؟

عام طور پر جو طلاق دی جاتی ہے تو طلاق دینے والے کو کوئی علم نہیں اور نہ لکھنے والے کو علم ہے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں، تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا غیر شرعی طلاق ہے۔ اسی واسطے حضرت طاؤس رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی اور لغو ہے چونکہ یہ طلاق شریعت کے خلاف دی گئی ہے اس میں شدید اختلاف ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی یہی دستور تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں یہی حکم تھا۔ بعد میں آپ نے سیاستاً تین قرار دے دیا۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حدیث:1472.

حضور پاک ﷺ کے دورِ مبارک میں ایک اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جائیں گی۔ اور آپ ﷺ نے رجوع کا حکم دیا۔

لہٰذا جو لوگ ایک طلاق شمار کرتے ہیں تو وہ حضور پاک ﷺ کے فیصلے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ فتویٰ صحیح اور درست ہے۔ حضور ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی دوسرے فیصلے کی اوّل تو ضرورت ہی نہیں اگر ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے نہ کہ مخالفت میں۔

الحمد للہ میری تحقیق اور فتویٰ یہ ہے کہ مطلقه ثلاثه في مجلس واحد میں خاوند رجوع کرسکتا ہے، کوئی حرج نہیں۔ اہل حدیث حضرات کا فتویٰ صحیح ہے اور رجوع درست ہے۔ یہی حکومت پاکستان، مصر، سوڈان اور لیبیا کا قانون ہے۔ [1]

والسلام

دعا گو:

محمد عبدالحلیم قاسمی، کان اللّٰه له و لو الدیه

مولانا حسین علی واں بھچراں رحمہ اللہ

مولانا عبدالحلیم قاسمی کے مکتوبِ ملتان نمبر 1 میں جس ''تذکرہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی'' کا اور اس میں مسئلہ زیرِ بحث کی وضاحت کا ذکر ہے، وہ حسبِ ذیل ہے۔ اس میں ایک

---

[1] ملحوظہ: مکاتیب ملتان کی فوٹو کاپیاں بھی ہمارے پاس موجود ہیں، جو صاحب ملاحظہ فرمانا چاہیں، وہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہ مکاتیبِ ملتان، ملتان کی جماعت اہل حدیث کے شائع کردہ کتابچے، بنام ''ایک مجلس کی تین طلاق، علمائے احناف کی نظر میں'' سے منقول ہیں۔ جس پر ملنے کے حسبِ ذیل دو پتے درج ہیں:
(1) دارالحدیث رحمانیہ چونگی نمبر 14 نزد پرانا لاری اڈہ ملتان۔
(2) دارالحدیث محمدیہ عام خاص باغ، ملتان شہر۔

...چوٹی کے حنفی عالم مولانا حسین علی واں بھچراں کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ اس کی فوٹو کاپی ہمیں مولانا قاسمی مرحوم کے (غالبًا) بھتیجے حافظ حسین احمد قاسمی نے عنایت فرمائی ہے، علاوہ ازیں اپنے مکتوب میں جو انھوں نے آج سے تقریبًا 26,25 سال قبل راقم کے نام تحریر فرمایا تھا، اپنا مسلک بھی ایک طلاق ہی بتلایا ہے۔ مکتوب میں تاریخ درج نہیں ہے۔ ''تذکرہ'' کے محولہ اقتباس اور مولانا حسین علی واں بھچراں کے فتویٰ کے بعد یہ مکتوب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''تذکرہ شیخ الاسلام۔'' کا محولہ بالا اقتباس حسب ذیل ہے:

حضور پاک ﷺ کا ارشاد:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو حلالہ کرنے والے اور کرانے والے کے لیے۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر 26,25 سال بھی یہ دونوں وقتی نکاح میں رہیں تو زانی قرار دیے جائیں گے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں سفاح (بدکاری) ہے۔[1]

امام ابو یوسف اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ اوّل خاوند کے لیے حلال نہیں جس طرح قاتل ورثہ سے ہمیشہ محروم رہتا ہے، اسی طرح یہ محروم رہے گا۔[2]

تمام فقہاء اور محدثین نے اس کا نام اَلتَّيْسُ الْمُسْتَعَار ''کرائے کا سانڈھ'' تسلیم کیا ہے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے سامنے حلالہ کرنے والا مرد اور حلالہ کرانے والی عورت

---

1. حاشیہ کنز الدقائق، ص:122.
2. الهداية، 381/1.
3. سنن ابن ماجه، الطلاق، باب المحلل والمحلل له، حديث:1936، ومجمع البحار: 295,294، والهداية: 381/1.

پیش کیے جائیں تو میں ان کو زنا کی سزا دوں گا۔ [1]

شارح مُسلم شریف علامہ نووی لکھتے ہیں:

''جن لوگوں کو حقائق کا علم نہیں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تین طلاق مجلسِ واحد کا ایک ہونا شروع میں تھا، پھر منسوخ ہوا۔ یہ فحش غلطی ہے۔

اگر ایسا ہوتا تو حضور پاک ﷺ کے دورِ مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ اول میں اس پر عمل درآمد کیوں رہا؟'' [2]

حضور پاک ﷺ کے فیصلہ صادر کرنے کے بعد اس سلسلے میں مزید بحث درست نہیں۔

احکام القرآن جلد3 صفحہ 230۔ واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب۔

فتویٰ مولانا حسین علی واں بھچراں

حضرت مولانا حسین علی مرحوم جو اپنے دور کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ اپنے فتوے میں فرماتے ہیں:

''ایک لفظ میں تین طلاق دینا اس میں شدید اختلاف ہے، اس طلاق کے غیر شرعی ہونے میں تو سب کا اتفاق ہے، بعض احناف کہتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں پڑتیں ان کا ماخذ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بسند صحیح پیش فرمائی اور خود بھی صحت کے قائل ہیں۔ علامہ ابن قیم حنبلی کی کتاب اعلام الموقعین کے صفحہ:280 پر احکام القرآن، ص:449، ترمذی، ص:140، مشکوٰۃ، ص:176، ابوداود، ص:299، ابن ماجہ، ص:141، دارقطنی، ص:438 میں موجود ہے کہ یہ ایک طلاق ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔''

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب في المتعة بالحج، حديث:1217، وشامي، ص:586، وجوهره، ص:114.

[2] صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث:1472.

محررہ: حسین علی بقلم خود
واں بھچراں ضلع میانوالی خطیب سرگودھا۔
20 ربیع الاوّل 1352ھ 31 مئی 1937ء

محمد عبدالحکیم انگوی مرحوم
وفات 1385ھ 1965ء
(تذکرہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی۔
صفحہ 41 شائع کردہ جامعہ حنفیہ گلبرک، لاہور)

مکتوب حافظ حسین احمد قاسمی، جامعہ حنفیہ گلبرگ لاہور

جناب محترم المقام حافظ صلاح الدین یوسف صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حسب وعدہ فتویٰ ارسال خدمت ہے۔ یہ کتاب اب صرف جلدوں کی صورت میں دوسری کتابوں کے ساتھ بطور یادگار پڑی ہے۔ اگر شائع کرائی گئی تو آپ کو ارسال کردوں گا۔ محترم آپ بے شک فتویٰ طلاق ثلاثہ در مجلس واحد کے لیے اپنے کسی آدمی کے ہاتھ بھیج دیا کریں، میری بھی یہی رائے ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتی ہیں اور میری اپنی تحقیق جو ہے وہ بھی میں آپ کو ارسال کروں گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور مزید ترقیات سے نوازے۔ الاعتصام اور اپنا لٹریچر ارسال فرمایا کریں یہ گلبرک میں آپ ہی کا سنٹر ہے۔

حافظ حسین احمد القاسمی
مہتمم مدرسہ جامعہ حنفیہ قاسمیہ۔
بی بلاک گلبرک II لاہور۔

وضاحت: یہ مکتوب تقریباً 26,25 سال قبل کا ہے، جب راقم نے ان سے کتاب ''تذکرہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی'' کا نسخہ طلب کیا تھا جس میں مولانا حسین علی واں بھچراں کا فتویٰ طلاق ثلاثہ کے متعلق بھی شامل تھا۔ جس کے جواب میں موصوف

نے فرمایا کہ کتاب تو اب ختم ہوگئی ہے، تاہم انھوں نے متعلقہ حصے کی فوٹوسٹیٹ کاپی بھیج دی تھی۔ چنانچہ وہ فتویٰ اس کتاب میں شامل کرلیا گیا ہے۔(ص۔ي)

ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ میں شائع شدہ تین مکتوب بھی اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا احمد الرحمٰن ۔ اسلام آباد

برادرم مولانا عمار ناصر صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج اچھے ہوں گے، ''الشریعۃ'' ہر ماہ نظر سے گزرتا ہے اور اس کی تحریریں پڑھ کر قلب وذہن منور ہوتے ہیں۔ مارچ 2005ء کے ''الشریعۃ'' میں مولانا سید سلمان الحسینی الندوی کے مضمون ''اجتہادی اختلافات میں معاشرتی مصالح کی رعایت'' میں جو نکتہ اٹھایا گیا ہے، وہ بے حد اہم اور وقت کی ضرورت کے مطابق ہے۔ ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کا موضوع ہمارے ہاں عام طور پر احناف اور اہل حدیث کے مابین ایک اختلافی نکتے کے طور پر زیر بحث آتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے اس وقت ایک سنگین معاشرتی مسئلے کے طور پر دیکھنے اور اس کا معقول حل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام ایک خاندان کے وجود میں آنے کے بعد انتہائی ناگزیر ضرورت کے بغیر اس کے ٹوٹنے کو پسند نہیں کرتا۔ ایک مجلس میں طلاقِ ثلاثہ کو، کوئی رعایت دیے بغیر ہر حالت میں واقع ماننا شریعت کے اس منشا کے خلاف ہے۔ خاص طور پر ہمارے معاشرے میں ایسی صورت عام طور پر شرعی طریقے سے ناواقفیت اور محض وقتی جذباتی کیفیت کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے اور ایک لمحے میں پورا خاندان نادانی اور جذباتیت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ اسلام چھوٹے سے چھوٹا معاہدہ توڑنے کے

لیے بھی سوچ بچار کا موقع دیتا ہے جبکہ نکاح کو تو قرآن مجید میں ﴿ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴾ کہا گیا ہے۔ کیا اتنے بڑے معاہدے کو ایک لمحے میں ختم کر دینا اور غلطی کرنے والے کے لیے تلافی کا کوئی موقع باقی نہ رہنے دینا اسلام کے اصول عدل کے مطابق ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت اسلام کا خاندانی نظام خاص طور پر مغرب کی تہذیبی یلغار کا ہدف بنا ہوا ہے اور اس کے حملوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں اس قدر بے لچک موقف اختیار کر کے کہیں ہم بھی نادانستہ اس تہذیبی کشمکش میں مخالف قوتوں کے لیے مددگار تو ثابت نہیں ہو رہے؟

جہاں تک اس مسئلے کے شرعی پہلو کا تعلق ہے تو روایات سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مجلس کے اندر تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، اس طرح خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سال تک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی تصور کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخصوص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بحیثیت مجتہد اور خلیفہ کے یہ طے کیا کہ تین طلاقوں کو تین ہی تصور کیا جائے گا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ مخصوص معاشرتی صورت حال میں ایک اجتہادی فیصلہ تھا اور ایسی صورت میں بعض دفعہ اصل شرعی حکم کو عارضی طور پر معطل کرنا پڑتا ہے جیسا کہ زمانۂ قحط میں انھوں نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا کو عارضی طور پر معطل فرما دیا اور جب قحط دور ہو گیا تو قطع ید کا حکم بھی اپنی اصل صورت میں بحال ہو گیا۔ گویا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوسائٹی کے اندر ایک خرابی کو دور کرنے کے لیے وقتی طور پر ایک فیصلے کو معطل کر کے دوسرا فیصلہ جاری کیا لیکن یہ عبوری مدت کے لیے تھا، نہ کہ مستقل اور ابدی طور پر۔

میں خود حنفی ہوں اور میں نے حنفی اساتذہ سے دینی تعلیم پائی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ نکات کی روشنی میں اس مسئلے میں حنفی نقطۂ نظر پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور میں متعدد ایسے حنفی علماء کو جانتا ہوں جو اس ضرورت کا احساس بھی رکھتے ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلے کو ''الشریعۃ'' میں باقاعدہ بحث کا موضوع بنائیں اور اہل علم کو دعوت دیں کہ وہ شریعت کے مزاج اور سلف صالحین کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے لیے گنجائش نکالیں۔

فقط۔ والسلام

احمد الرحمٰن

خطیب جامع مسجد پاک سیکرٹریٹ اسلام آباد

(ماہنامہ ''الشریعۃ'' مئی 2005ء)

پروفیسر محمد اکرم ورک (گورنمنٹ کالج، قلعہ دیدار سنگھ)

مسئلہ طلاق ثلاثہ۔ علمائے کرام توجہ فرمائیں:

ماہنامہ ''الشریعۃ'' کے مارچ 2005ء کے شمارے میں مولانا سید سلمان الحسینی الندوی کا مضمون ''اجتہادی اختلافات میں معاشرتی مصالح کی رعایت'' کے زیر عنوان شائع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع کی صورت میں مرتب ہونے والے معاشرتی مسائل کی طرف علمائے کرام کو توجہ دلائی ہے اور علمائے دین اور مفتیان کرام سے تقاضا کیا ہے کہ وہ آج کے معروضی حالات کے تناظر میں اس مسئلے پر دوبارہ غور فرمائیں۔

مئی 2005ء کے شمارے میں مولانا احمد الرحمٰن نے اس نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگرچہ طلاق ثلاثہ کے موضوع پر احناف اور اہل حدیث مکتبۂ فکر کی طرف سے مناظرانہ انداز میں اپنے اپنے موقف پر دلائل پیش کیے گئے ہیں، تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے کرام اس

موضوع کو ایک سنگین انسانی اور معاشرتی مسئلے کے طور پر دیکھنے کی کوشش کریں۔ طلاق ثلاثہ کوئی ایمانیات کا مسئلہ نہیں کہ جس کا اقرار یا انکار کفر کو مستلزم ہو یا جس پر غور وفکر کا دروازہ بند ہو چکا ہو، یہ ایک فرعی مسئلہ ہے۔ اجتہادی اور فروعی مسائل میں اصول کے دائرے کو قائم رکھتے ہوئے مختلف آراء رکھنا اسلامی علمی روایت کا ایک حصہ ہے۔ اس تناظر میں ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے پر غور وفکر کی دعوت یقیناً درست ہے اور اصحابِ فکر کی ایک بڑی تعداد اس ضرورت کا احساس رکھتی ہے۔

طلاق ثلاثہ کے بارے میں دو فقہی مسلک ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک وہ فقہی مکتب ہے جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دیتا ہے اور دوسرا وہ جو اس صورت میں صرف ایک طلاق کے وقوع کا قائل ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ اس دوسرے موقف کے قائل ہیں جبکہ مالکی فقیہ قاضی ابن رشد کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ ہمارے دور کے اہل حدیث حضرات بھی اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔ ان سطور میں پیش نظر اس مسئلے پر کسی حتمی رائے کا پیش کرنا نہیں ہے بلکہ علمائے کرام کو اس موضوع پر اظہار رائے کی دعوت دینا ہے تا کہ وہ ایک اہم معاشرتی مسئلے پر پوری علمی سنجیدگی کے ساتھ قلم اٹھائیں۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان ایک اہم ترین ادارہ ہے۔ میاں بیوی کے مضبوط تعلقات خاندانی استحکام کی بنیادیں ہیں اور خاندانی نظام کی بقا ہی معاشرتی استحکام کی خشتِ اول ہے۔ اس لیے نکاح و طلاق جیسے بنیادی اور اہم معاشرتی مسائل کے بارے میں اسلامی تعلیمات بڑی متوازن اور فطری ہیں۔

نکاح وطلاق کے باب میں اسلامی احکام کی اصل اسپرٹ یہی ہے کہ نکاح کو باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اسلام نے انسانی رویوں میں پائے جانے والے فطری اختلاف اور فرق کے پیش نظر باہمی تنازع کے امکان کو تسلیم کرتے ہوئے اختلاف کی صورت میں میاں

بیوی کو مصالحت کا انداز اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭوَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ﴾

''اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے ظلم و زیادتی کا اندیشہ ہو یا اعراض کا تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں صلح کر لیں آپس میں صلح کرنا اور صلح بہتر ہے۔''[1]

شریعت نے اگرچہ انتہائی مجبوری کے عالم میں طلاق کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت دی ہے لیکن «أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ» کہہ کر اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ گویا اسلام کی نظر میں طلاق ایک ایسی دوا ہے جو ازدواجی زندگی کے ایک مستقل روگ کے علاج کے طور پر جائز قرار دی گئی ہے۔

اسلام نے طلاق دینے کا ایک نہایت حکیمانہ اور مبنی بر مصلحت طریقہ مشروع کیا ہے، چنانچہ بتایا گیا ہے کہ حالت طہر میں بیوی کو ایک مرتبہ صرف ایک طلاق دی جائے تاکہ فیصلے پر نظر ثانی اور طلاق سے رجوع کرنے کا حق باقی رہے۔ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں طلاق کے اسی فطری طریقے پر عمل ہوتا رہا لیکن عہد فاروقی میں جب ایک مجلس میں تین طلاقیں یکجا دینے کے واقعات بڑھنے لگے تو خلیفۂ ثانی نے اس رجحان کی حوصلہ شکنی کے لیے ایک مجلس میں تین طلاقوں کو واقع کر کے میاں بیوی میں تفریق کروا دی اور اس کے ساتھ شوہر کو کوڑوں کی سزا بھی دی۔ خلیفۂ ثانی کا یہ حکم کوئی منصوص حکم نہ تھا بلکہ ایک اجتہادی اور انتظامی حکم تھا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کی حوصلہ شکنی کی جائے، چنانچہ لوگوں نے دائمی جدائی اور کوڑوں کے خوف سے ایک مجلس میں تین طلاقوں کا طریقہ چھوڑ دیا۔ اگرچہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس حکم سے مطمئن نہ تھے، تاہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا اور بعد کے دور میں سوسائٹی کے مجموعی مفاد کے پیش نظر فقہائے کرام نے بھی

---

[1] النسآء 4:128.

حکم کو واجب العمل قرار دیا۔

ابتدائی صدیوں کے مخصوص معاشرتی ماحول میں یقیناً اس مسئلے کا یہی ایک بہترین حل تھا لیکن چونکہ یہ حکم نص قطعی سے ثابت نہیں ہے، اس لیے ہر دور میں ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کے بارے میں علمائے کرام میں اختلاف رہا ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی احکام میں اس قدر لچک موجود ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے خاص حالات میں اصلاح کی غرض سے کسی آیت کے حکم میں ظاہری تقیید یا تخصیص کا عمل کیا جاسکتا ہے اور اگر بعد کے زمانے میں مصلحت عامہ کا تقاضا یہ ہو کہ قرآن کے اصل اور منصوص حکم کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ رجوع الی الاصل بدرجہ اولیٰ درست ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورت سے نکاح کے رجحان کی حوصلہ شکنی کے لیے منصوص اجازت کے باوجود کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی۔

قدیم عرب معاشرے میں مرد اور عورت کے طلاق کے بعد نکاح ثانی کبھی کوئی معاشرتی مسئلہ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہونے کے تعزیری حکم کی وجہ سے کوئی سنگین مسئلہ پیدا نہیں ہوا جبکہ اقوام عالم میں تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار، مسلم معاشروں بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کا مخصوص طرز معاشرت اور معروضی حالات اس مسئلے پر از سر نو غور و فکر کا تقاضا کر رہے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ لوگ ضروریات دین سے واقف نہیں ہیں۔ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں پچھتاتے ہیں اور مرد کی معمولی نادانی کی وجہ سے پورے خاندان کے لیے شدید مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف دین سے بیزار لوگ اسلام کے معاشرتی نظام اور عائلی قوانین کو ہدف تنقید بنا کر لوگوں کو اسلام سے متنفر اور بدظن کر رہے ہیں۔ اس صورت حال میں مصالح امت کا تقاضا یہ ہے کہ جامد تقلید اور فقہی مسلکوں کے خول میں بند رہنے کے بجائے وسعت

نظری سے کام لیتے ہوئے اس خالصتاً اجتہادی مسئلے پر از سر نو غور وفکر کیا جائے اور اگر امت کے لیے آسانی اور سہولت کی کوئی صورت ممکن ہو تو سوسائٹی کو اس سے محروم نہ کیا جائے۔ کسی سچائی کو فقط اس لیے قبول نہ کرنا کہ اس سے کسی خاص مسلک کی تائید یا تردید ہوتی ہے، غیر علمی رویہ ہے۔

حالات اور زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھنے والے کئی اصحاب علم نے اس سے قبل بھی ارباب دانش کو اس موضوع پر غور وفکر کی دعوت دی ہے جن میں ایک نمایاں نام عصر حاضر کے معروف محقق اور دانش ور پیر محمد کرم شاہ الازہری کا ہے۔ پیر صاحب نے فریقین کے تفصیلی دلائل کا جو تجزیہ فرمایا ہے، یہاں اس کا اعادہ مقصود نہیں، تاہم ایک قانون دان کی حیثیت سے پیر صاحب نے آج کے معروضی حالات کے پس منظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ہی مجلس میں طلاق ثلاثہ کی تنفیذ کے حکم کا جو تجزیہ کیا ہے، قارئین کی دلچسپی کے لیے اسے ہم پیش کیے دیتے ہیں:

''حضرت عمر نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ لوگ طلاق ثلاثہ کی حرمت کو جانتے ہوئے اب اس کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں تو آپ کی سیاست حکیمانہ نے اس امر حرام سے باز رکھنے کے لیے بطور سزا حرمت کا حکم صادر فرمایا اور خلیفۂ وقت کو اجازت ہے کہ جس وقت وہ دیکھے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کی قدر نہیں کر رہے اور ان سے استفادہ کرنے سے رک گئے ہیں اور اپنے لیے عسر و شدت پسند کر رہے ہیں تو بطور تعزیر انھیں ان رخصتوں اور سہولتوں سے محروم کر دے تاکہ وہ اس سے باز آ جائیں۔

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے یہ حکم نافذ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوں ارشاد گرامی ہے، بلکہ کہا: «فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ» ''کاش! ہم اس کو ان پر جاری کر دیں۔'' ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپ کی رائے تھی اور امت کو اس فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے یہ تعزیری قدم اٹھایا گیا تھا۔ اس تعزیری حکم کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پسند فرمایا اور

کے مطابق فتوے دیے۔ لیکن حدود کے علاوہ تعزیرات اور سزائیں زمانے کے بدلنے سے بدل جایا کرتی ہیں۔ اگر کسی وقت کسی مقررہ تعزیر سے بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو اور مصلحت کی جگہ فساد رو پذیر ہونے لگے تو اس وقت اس تعزیر کا بدلنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔

غیر شادی شدہ زانی کی حد کا ذکر تو قرآن حکیم میں موجود ہے کہ اسے سو درے لگائے جائیں لیکن حدیث میں ہے "مِائَةُ جَلْدَةٍ وَّتَغْرِیبُ عَامٍ" یعنی سو درے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطن کر دیا جائے۔ جب چند آدمیوں کو جلاوطن کیا گیا تو وہ کفار کی صحبت سے متأثر ہو کر مرتد ہو گئے اور علمائے احناف نے یہ کہہ کر جلاوطنی کی سزا کو ساقط کر دیا کہ یہ تعزیر ہے اور اب اس سے بجائے اصلاح کے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے، اس لیے اب یہ تعزیر ساقط کرنی ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تعزیر کو آج باقی رکھنے سے جو مفاسد اسلامی معاشرے میں رونما ہو رہے ہیں، کون سی آنکھ ہے جو اشک بار نہیں اور کون سا دل ہے جو دردمند نہیں۔

لوگوں میں شرعی احکام کے علم کا فقدان ہے۔ انھیں یہ پتہ ہی نہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا کتنا بڑا جرم ہے اور یہ تَلَعُّبْ بِکِتَابِ اللهِ کے مترادف ہے۔ وہ غیظ وغضب کی حالت میں منہ سے بک جاتے ہیں۔ انھیں تب ہوش آتا ہے جب انھیں بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک جنبش لب سے اپنے گھر کو برباد کر دیا ہے، اس کی رفیقۂ حیات اور اس کے ننھے بچوں کی ماں اس پر قطعی حرام ہو گئی ہے، اس کی نظروں میں دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ یہ ناگہانی مصیبت اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، پھر وہ علماء صاحبان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں جو باستثنائے چند حضرات بڑی معصومیت سے انھیں حلالے کا دروازہ دکھاتے ہیں۔ اس وقت انھیں اپنے غیور رسول کی وہ حدیث فراموش ہو جاتی ہے:

«لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جائے، اس پر بھی اللہ کی لعنت۔''[1]

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی سن لیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوا: بَلٰى! يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ، لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''کیا میں تمھیں کرائے کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟'' ہم نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر بھی اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔''[2]

ان علمائے ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بدنصیب قبول کر لیتا ہو گا تو اسلام اپنے کرم فرماؤں کی ستم ظریفی پر چیخ اٹھتا ہو گا اور دین سبز گنبد کے مکیں کی دہائی دیتا ہو گا۔

اب حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں۔ جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشۂ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہو کر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجہ ان کی طرف بڑھاتے ہیں اور انھیں اپنے دام تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔ اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولت ایمان لٹ جاتی ہے۔ میرے یہ چشم دید واقعات ہیں کہ کنبے کے کنبے مرزائی اور رافضی ہو گئے۔ جب حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہو، جب یہ تعزیر بے غیرتی کی محرک ہو بلکہ اس کی موجودگی سے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہو، ان حالات میں علمائے اسلام کا یہ فرض نہیں کہ امت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر در رحمت کشادہ کریں؟'' (''دعوت فکر و نظر'')

---

[1] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحل والمحلل له، حديث:1120.

[2] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب المحلل والمحلل له، حديث:1936.

پیر صاحب نے حالات کا معروضی مطالعہ کرنے کے بعد اہل علم کو جس دل سوزی کے ساتھ اس موضوع پر غور وفکر کی دعوت دی ہے، وہ سنجیدہ توجہ کی مستحق ہے اور اس بات کی متقاضی ہے کہ علمائے کرام غور وفکر کے بعد اس مسئلے پر کوئی ایسا متفقہ موقف اختیار کریں جس میں امت کے لیے آسانی اور سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ بعض حنفی علماء نے تو جن میں خاص طور پر معروف دیوبندی عالم مولانا سعید احمد اکبر آبادی قابل ذکر ہیں، اپنے نتائج تحقیق کا برملا اظہار کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے حوالے سے بہتر یہی ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی کے طرز عمل ہی سے استشہاد کیا جائے۔ برصغیر کے معروف عالم اور دانش ور مولانا وحید الدین خان نے طلاق ثلاثہ کے حوالے سے ایک بڑی مفید تجویز پیش کی ہے جو ارباب دانش کے ساتھ ساتھ ارباب حل وعقد کے لیے بھی خاص طور پر توجہ کی مستحق ہے۔ (یہ تجویز اس سے قبل گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کر لیجیے)

بہر حال اس موضوع کی فنی اور دقیق علمی بحثوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر زمانے کی ضرورتوں، حالات کے تقاضوں اور گلو بلائزیشن کے اس دور میں تیزی سے بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار اور مسائل کی روشنی میں دیکھا جائے تو اصل قابلِ غور نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ اس مسئلے کا عملی حل کیا پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ مروجہ عائلی قوانین میں کوئی ایسی ترمیم لانے میں کامیاب ہو جائیں جس سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کی حوصلہ شکنی ہو؟ اور کیا ہمارے لیے یہ زیادہ آسان اور بہتر نہیں کہ ہم شریعت اسلامیہ کے اصل حکم کی طرف رجوع کریں؟[1] (ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ، جون 2005ء)

---

[1] وہ اصل حکم کیا ہے؟ یہی کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاقِ رجعی ہے جس میں خاوند عدت کے اندر بیوی سے رجوع اور عدت گزرنے کے بعد بغیر کسی قسم کے حلالے کے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ (ص۔ی)

ڈاکٹر رضوان علی ندوی (کراچی)

مکرمی مولانا زاہد الراشدی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج ڈاک سے غیر متوقع طور پر کئی برسوں کے بعد اچانک ماہنامہ ''الشریعۃ'' کا جون کا شمارہ ملا.........۔

طلاق ثلاثہ کے مسئلے میں اب غور وفکر کی دعوت سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کو باطل قرار دے کر قرآنی اور مسنون طلاق پر عمل ضروری ہے اور ہماری شریعت کورٹ کو اس بارے میں دوٹوک فیصلہ کر دینا چاہیے۔ سلمان الحسینی صاحب اور مرحوم مولانا پیر کرم شاہ الازہری دونوں نے طلاق ثلاثہ بیک مجلس کے خلاف آواز اس لیے اٹھائی کہ ان دونوں صاحبان نے عرب ممالک میں پڑھا ہے۔ جس زمانے میں، میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ کے کلیۃ العلوم الاجتماعیۃ میں فل پروفیسر تھا، اس وقت (انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے میں) سلمان صاحب جامعہ کے کلیۃ الدعوۃ میں (M.A) کے طالب علم تھے جہاں بیشتر مصری اساتذہ پڑھاتے تھے۔ اور مرحوم پیر کرم شاہ تو جامعہ الازہر ہی کے فاضل تھے۔ بریلوی مکتب فکر کے ان مرحوم عالم کی (جن سے صرف ایک بار اسلام آباد میں 1988ء میں میری ملاقات ہوئی تھی) طلاق ثلاثہ کے خلاف مدلل رائے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اب تو عرب ممالک سے میرا رشتہ منقطع ہے لیکن یاد پڑتا ہے کہ مصر و شام میں عرصہ ہوا کہ ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کو غیر نافذ قرار دیا جا چکا ہے۔ میرے اساتذہ بھی کلیۃ الشریعۃ، جامعہ دمشق میں شامی و مصری تھے تو یہی یاد پڑتا ہے کہ وہاں اب یہ مسئلہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

ہمارے یہاں کے علماء نے تو حالات سے آنکھیں بند کر لینے اور تحجر (اپنے

ہی خول میں بند رہنے) کی قسم کھا رکھی ہے۔ پیر کرم شاہ صاحب مرحوم نے طلاق ثلاثہ کے سبب قادیانی اور عیسائی بن جانے کے جن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں سب علمائے دین کے لیے بڑا سامان عبرت ہے۔ یہ علماء قرآن وحدیث کی باتیں تو بہت کرتے ہیں، ان کی دہائی بھی دیتے ہیں لیکن اس مسئلے میں وہ قرآن وحدیث کو بھول جاتے ہیں۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق ثلاثہ کو بطور تعزیر نافذ کر دیا تھا۔ اب کون سی چیز ہے جو ہم کو ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کے قرآنی حکم سے روک رہی ہے؟

والسلام۔ خاکسار

(ڈاکٹر) رضوان علی ندوی

مکان نمبر 5، پی اسٹریٹ، خیابان سحر فیز VII، ڈی ایچ اے، کراچی
(ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ۔ اگست 2005ء)

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری بریلوی مکتب فکر کے ایک ممتاز اہل علم وقلم اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی ایک کتاب ''شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم'' بھی ہے۔ کتاب کا موضوع عنوان سے واضح ہے۔ اس میں انھوں نے بجا طور پر اس مسئلے کا اثبات کیا ہے کہ شدید غصے کی حالت میں دی گئی طلاق جب کہ ہوش وحواس مختل ہو گئے ہوں، واقع نہیں ہوتی۔

تاہم اس میں ضمناً ایک وقت کی تین طلاقوں کے مسئلے پر بھی بحث ہے، اس میں انھوں نے اپنے موقف کا واضح الفاظ میں تو ذکر نہیں کیا ہے کہ وہ ایک واقع ہوتی ہیں یا تین؟ لیکن اسے انھوں نے جس انداز سے بیان کیا ہے، اس سے ان کا رجحان بظاہر ایک طلاق کے وقوع کا معلوم ہوتا ہے، علاوہ ازیں انھوں نے اس امر پر بطور خاص بڑا زور دیا ہے کہ عوام کسی بھی عالم

کے فتوے پر عمل کرلیں، ان کے لیے جائز ہے اور عوام کے لیے اسی میں سہولت ہے، انھوں نے علماء و مفتیان حضرات سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ ایسے شخص کو ملامت نہ کریں بلکہ اسے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دے دیا کریں اور اسے حرام کاری و زنا کاری سے تعبیر نہ کیا کریں۔ ان کی یہ ساری گفتگو چونکہ ہمارے موضوع طلاق ثلاثہ سے خاص تعلق رکھتی ہے، اس لیے ہم اس کتاب کے چیدہ چیدہ مقامات نقل کر رہے ہیں، ہر مقام کا ہم نے صفحہ درج کر دیا ہے تا کہ ہر شخص یہ دیکھ سکے کہ تلخیص میں سیاق کے خلاف کوئی مفہوم اخذ نہیں کیا ہے۔ اب آئندہ صفحات پر محترم موصوف کی کتاب کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ (صلاح الدین یوسف)

مسئلہ تین طلاق

سوال اکٹھے تین طلاق کہہ دینے سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کیا رجعی ہوتی ہے یا تین ہی ہوتی ہیں جسے طلاق مغلظہ کہتے ہیں؟

جواب اس میں فقہائے کرام کی چار آراء ہیں: ① پہلی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اکٹھے تین طلاقیں دے دیں تو وہ لغو بیکار گئیں، ایک طلاق بھی نہ ہوگی۔ یہ بعض تابعین و امام ابن علیہ، امام ہشام بن حکم، امام ابو عبیدہ اور بعض علمائے اہل ظاہر کی رائے ہے اور یہی روافضہ (شیعہ) کا موقف ہے۔

② دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو، ابن عباس اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کی یہی رائے ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے اور ائمہ اربعہ، جمہور سلف و خلف اور جمہور صحابہ و تابعین کی رائے بھی یہی ہے۔

③ تیسری رائے یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کہ عدت کے اندر خاوند رجوع کر سکتا ہے، یہ زیدیہ شیعہ کا موقف ہے اور سیدنا علی المرتضیٰ و سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور یہی امام ہادی، امام قاسم، امام جعفر صادق، امام باقر رحمہ اللہ سے مروی ہے

امام حافظ ابن تیمیہ، امام شوکانی ، علامہ صدیق حسن قنوجی رحمہ اللہ اور امام مالک کے بعض شاگردان رشید کا بھی یہی قول ہے جسے امام تلمسانی نے شرح تفریع ابن الجلاب میں بیان کیا ہے۔ اور امام ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل کے بعض تلامذہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ میرے جد امجد کبھی کبھی اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ اور نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ امام ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں امام محمد بن وضاح کی بھی یہی رائے نقل کی ہے اور امام غنوی، امام احمد بن بقی اور امام محمد بن عبدالسلام ایسے مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت کی بھی یہی رائے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے بیان کی اور امام ابن منذر نے حضرت عطاء، حضرت طاؤس اور حضرت عمرو بن دینار جیسے شاگردانِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے بیان کی اور جیسا کہ صاحب بحر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہی رائے نقل کی ہے اور حضرت علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ایک روایت نقل کی ہے۔

اگرچہ ہم ان مختلف آراء کے حامل علماء وفقہائے کرام کے دلائل تو بیان نہیں کریں گے، تاہم تینوں طلاقوں کو ایک قرار دینے والے علماء وفقہاء کے جو دلائل ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی بھی ہے جسے مختلف محدثین کرام نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے، امام ابویعلی موصلی اور حضرت امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی اپنی مسند میں اسے روایت فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں اکٹھے تین طلاقیں دے دیں بعد میں سخت غمگین ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی؟ انھوں نے عرض کی: "طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا" کہ میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟" کہ ایک ہی مجلس میں؟ عرض کی: ہاں، فرمایا: "فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا" کہ یہ ایک ہی طلاق ہے اگر تم

چاہوتو رجوع کرلو۔"[1]

جب کہ دوسری طرف سے بھی دلائل دیے جاتے ہیں۔

④ چوتھی رائے میں مدخولہ اور غیر مدخولہ کا فرق کیا جاتا ہے، ایک رائے یہ ہے کہ مدخولہ کو تین طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخولہ کو تین طلاقیں دینے کی صورت میں ایک ہی طلاق ہوگی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور امام اسحاق بن راہویہ کی رائے ہے جسے امام محمد بن نصر نے ان سے نقل کیا ہے۔ (انحلال الزواج في الفقه والقانون للدكتورعبدالله يوسف مصطفى عزام ،ص: 60.)[2]

فقہی تشدد کے مہلک نتائج

فقہی تشدد یا تقلیدی لڑائی جھگڑوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے مگر ہندو پاک کے علماء اور عوام میں یہ تشدد اس قدر پایا جاتا ہے کہ اسے دیکھ کر افسوس ہوتا ہے، عوام میں یہ تشدد علماء کے فقہی تعصب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس کی مثال میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ملتان سے آگے مظفر گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں ایک شخص نے لڑائی جھگڑے میں شدید غصے میں آ کر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو وہ نادم و پریشان ہوا، بیوی رو رہی تھی، بچے اپنی جگہ اداس و پریشان تھے۔ وہ علمائے کرام، مفتیان عظام کے پاس گیا سب نے کہا: بس نکاح ٹوٹ چکا ہے، تمھاری بیوی تم پر حرام ہے، اب حلالہ ضروری ہے، اتفاق سے وہ ایک اہل حدیث عالم کے پاس جا پہنچا، انھوں نے اسے فتویٰ لکھ دیا کہ اس سے ایک ہی طلاق ہوئی ہے جاؤ بیوی سے صلح کرلو۔ اس نے آ کر بیوی سے صلح کر لی اور گھر بسا لیا۔ مگر اس گاؤں کے امام کو پتہ چلا تو اس نے مسجد کا سپیکر کھول لیا اور اعلان کیا کہ فلاں شخص نے تین طلاقیں دے

[1] مسند أبي يعلى: 65/3 و مصنف عبد الرزاق: 391,390/6 و مسند أحمد: 265/1.
[2] شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم، ص: 84-86.

اور بیوی کے ساتھ رہ رہا ہے، یہ گناہ کبیرہ کا علانیہ مرتکب ہو رہا ہے، زنا کر رہا ہے، سارے گاؤں پر فرض ہے کہ اس کا معاشرتی (سوشل) بائیکاٹ کریں ورنہ سارے گنہگار ہوں گے۔ اس پر گاؤں والوں نے اس کا مکمل بائیکاٹ کر دیا، وہ اس قدر پریشان ہوا کہ پاگل ہونے والا ہو گیا اسے کسی نے میرے پاس بھیجا، میں نے اسے کہا کہ تیرے پاس ایک فتوی ہے تو اس پر عمل کر رہا ہے تو گنہگار نہیں ہے تو نے شریعت کا تقاضا پورا کر دیا، تیرے ساتھ بائیکاٹ کرنے والے غلطی پر ہیں، وہ منت سماجت کر کے مجھے وہاں لے گیا میں نے وہاں مسجد کے امام کو سمجھایا کہ یہ مسئلہ علماء میں مختلف فیہ ہے، اس پر اس قدر تشدد کرنا جائز نہیں ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور معاشرتی بائیکاٹ ختم کرا دیں۔

امام صاحب نے کہا کہ اب یہ بات عوام کو آپ ہی سمجھائیں، چنانچہ سپیکر پر عوام کو اکٹھا کیا گیا میں نے وہاں تقریر کی اور عوام کو سمجھایا کہ اگر کسی مسئلے میں ننانوے فیصد مجتہدین ایک طرف اور ایک مسلم فقیہ و مجتہد دوسری طرف ہو تو اللہ کے ہاں دونوں کی رائے شریعت ہے عوام میں سے کوئی کسی بھی رائے پر عمل کرے گا نجات پا جائے گا۔ [1]

حکومت کو مشورہ

یہ قانون بنا دینا چاہیے کہ کوئی شخص بغیر گواہوں کے طلاق نہ دے اگر دے گا تو وہ معتبر نہ ہوگی۔ اس میں قانون سازی کی گنجائش ہے کیونکہ جس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہو تو حکومت عوام کے فائدے کے لیے بھی رائے کو قانون کی حیثیت دے سکتی ہے اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ عوام میں بے تحاشہ طلاق دینے کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور عورتوں کی آئے دن کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔ [2]

---

[1] شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم، ص:136,22.

[2] شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم، ص:92,91.

شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام۔م 660ھ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

«وَلِلْعَامِيِّ أَنْ يُقَلِّدَ فِي كُلِّ مَسْئَلَةٍ مَّنْ شَاءَ مِنَ الْأَئِمَّةِ وَلَا يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ إِذَا قَلَّدَ إِمَامًا فِي مَسْئَلَةٍ أَنْ يُّقَلِّدَهُ فِي سَائِرِ مَسَائِلِ الْخِلَافِ لِأَنَّ النَّاسَ مِنْ لَّدُنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، إِلٰى أَنْ ظَهَرَتِ الْمَذَاهِبُ يَسْأَلُونَ فِيمَا يَنْسَخُ لَهُمُ الْعُلَمَاءُ الْمُخْتَلِفِينَ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ مِّنْ أَحَدٍ، وَسَوَاءٌ اتَّبَعَ الرُّخَصَ فِي ذٰلِكَ أَوِ الْعَزَائِمَ لِأَنَّ مَنْ جَعَلَ الْمُصِيبَ وَاحِدًا لَّمْ يُعَيِّنْهُ وَمَنْ جَعَلَ كُلَّ "مُجْتَهِدٍ مُّصِيبًا" فَلَا إِنْكَارَ عَلٰى مَنْ قَلَّدَ الصَّوَابَ»

یعنی عوام کو اجازت ہے کہ وہ ہر مسئلے میں ائمہ میں سے جس کے قول پر چاہیں عمل کریں جب وہ ایک مسئلے میں کسی ایک امام کے قول پر عمل کریں تو ان کے لیے ضروری نہیں کہ باقی اختلافی مسائل میں بھی اسی امام کے قول پر عمل کریں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر ائمہ مجتہدین کے مذہب کے ظاہر ہونے تک جو مسئلہ انھیں درپیش ہوتا وہ کسی کی طرف سے بغیر کسی انکار کے مختلف علماء سے پوچھتے اور عمل کرتے۔ اس سلسلے میں ان کو اجازت ہے کہ خواہ رخصتوں پر عمل کریں یا عزائم پر کیونکہ جس کے نزدیک اختلاف کی صورت میں مصیب ایک ہی ہے وہ کسی ایک کو مصیب معین نہیں کرتا اور جو ہر ایک کو مصیب ٹھہراتا ہے اسے اس پر اعتراض نہیں جو صواب پر عمل کرتا ہے۔[1]

اور علامہ محمد امین فتاویٰ شامی میں لکھتے ہیں:

«لَيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ الْتِزَامُ مَذْهَبٍ مُّعَيَّنٍ»

''انسان کے لیے لازم نہیں کہ وہ کسی ایک مذہب (فقہی) پر چلے۔''[2]

---

[1] فتاوى شيخ الإسلام إمام عزالدين بن عبدالسلام، ص: 288 طبع بيروت 1416ھ.

[2] فتاوى شامي: 75/1.

قرآن وسنت پر عمل

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر ایک عالم دین جو قرآن وسنت کے نصوص وعبارات کے معانی جانتا اور صاحب فہم وفراست ہے تو کسی بھی مسئلے میں وہ قرآن وسنت پر عمل کر سکتا ہے، اگرچہ اس کے فقہی مذہب کے خلاف ہو۔[1]

عوام کا کوئی مذہب نہیں

یاد رہے کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ عوام الناس کسی کے مقلد نہیں ہوتے، ان کا مذہب نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی اور نہ حنبلی، ان کا وہی مذہب ہے جو ان کے مفتی کا ہے، یہاں ہندوستان وپاکستان بلکہ بنگلہ دیش وغیرہ بلاد مشرق کے علماء چونکہ حنفی ہیں اور وہی مفتی ہیں اس لیے ان کے عوام بھی ان کے فتوے کے مطابق فقہ حنفی پر چل رہے ہیں۔ بلاد عرب میں جہاں کے علماء شافعی ہیں وہاں کے عوام بھی شافعی فقہ پر اور جہاں کے علماء حنبلی یا مالکی ہیں وہاں کے عوام بھی ان کے فتووں پر عمل کرتے ہوئے حنبلی یا مالکی ہیں، ورنہ دراصل عوام بذات خود کوئی مذہب نہیں رکھتے کہ انھیں کوئی علم ہی نہیں اور نہ ہی وہ تحقیق رکھتے ہیں، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

«لَوِ الْتَزَمَ مَذْهَبًا مُّعَيَّنًا كَأَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ فَقِيلَ: يَلْزَمُهُ وَقِيلَ: لَا، وَهُوَ الْأَصَحُّ، وَقَدْ شَاعَ أَنَّ الْعَامِيَّ لَا مَذْهَبَ لَهُ»

"اگر ایک عام آدمی کسی متعین مذہب پر چلنا شروع کر دے، جیسے: امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کے مذہب پر تو ایک رائے یہ ہے کہ اسے ہمیشہ اسی پر چلتے رہنا ضروری ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے اور یہی صحیح ترین رائے ہے اور یہ بات علماء

[1] شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم، ص:102,101.

میں عام ہے کہ عام آدمی کا کوئی مذہب نہیں ہے۔''[1]

لٰہذا علماء کو چاہیے کہ وہ ضرورت مند و مجبور عوام کو شریعت کی روشنی میں وہ فتویٰ دیں جس میں ان کا بھلا ہو، خواہ وہ کسی بھی امام کی رائے کے مطابق ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجتے ہوئے انھیں وصیت فرمائی تھی:

«يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا»

''لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، مشکلیں پیدا نہ کرنا اور خوشخبریاں سنانا، نفرت نہ دلانا۔''[2]

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ایک عام شخص نے دو علماء سے فتویٰ لیا اور دونوں فتوے ایک دوسرے سے مختلف ہوں، مثلاً: ایک عالم نے فتویٰ دیا کہ یہ جائز ہے، دوسرے نے فتویٰ دیا کہ یہ ناجائز ہے یا ایک نے کہا کہ یہ حلال ہے دوسرے نے کہا کہ یہ حرام ہے تو عام آدمی کو اجازت ہے کہ جس فتوے پر چاہے عمل کرے۔[3]

سبحان اللہ، دین میں کس قدر آسانی ہے، ہم کس قدر خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے ہمیں ایسا دین عطا کیا جو آسان ترین دین ہے کہ جس میں علماء کا فقہی اختلاف امت کے لیے رحمت بن گیا۔ اسی میں عوام کا فائدہ ہو گیا کہ جس مسئلے میں علماء کا اختلاف پائیں اس میں سے جس پر چاہیں عمل کریں۔

عوام کا فائدہ

بلاشبہ عوام کو علماء کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ جس مسئلے

---

[1] فتاوی شامي:1/48.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسى......، حديث:4345,4344.

[3] فتاوی شامي:1/48.

اپنی ضرورت پوری اور مجبوری دور ہوتی دیکھیں اس پر عمل کریں۔[1]

علماء کے لیے ہدایات

امام عبدالغنی نابلسی جو علامہ شامی کے شیخ الشیخ ہیں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں: جس کا ترجمہ یوں ہے:

''عالم کامل اور ولی عارف وہ ہے جو اللہ کے اوامر ونواہی پر نظر رکھتا اور حدود واحکام الٰہیہ کی حفاظت کرتا ہو اور جو شریعت محمدیہ کے اوامر ونواہی کو جانتا اور ان پر عمل کرتا ہو اور چاروں فقہائے امت اور دوسرے فقہاء وتمام صحابہ وتابعین اور ان کے بعد والوں کا جن مسائل پر اجماع یا جن میں اختلاف ہے انھیں جانتا یا جاننے کی استعداد اور صلاحیت رکھتا ہو ایسے اللہ کے ولی (عالم باعمل) کے کسی بھی فعل پر اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اس عمل میں کسی ایسے فقہی مذہب کی تقلید کر رہا ہو جو اس کے نزدیک تمام شروط کا جامع ہو اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جس کا معترض کو علم نہ ہو۔

علامہ امام عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب شرح وصیت یوسفیہ میں لکھا ہے کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اس عورت کے بارے میں آپ کی کیا رائے شریف ہے جسے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی گئی ہوں؟ آپ نے فرمایا: وہ تین ہی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ میں نے عرض کی کہ علمائے ظاہر کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کی ایک طلاق ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هٰؤُلَاءِ حَكَمُوا بِمَا وَصَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابُوا»

[1] شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم، صفحہ: 96-98.

''ان علماء نے اس دلیل کے مطابق فیصلہ دیا ہے جو ان تک پہنچی اور انھوں نے صحیح کہا ہے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ فقہی مسائل میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنا دلائل شرعیہ ہے اور دلائل شرعیہ کی بنا پر جو علماء فرماتے ہیں صحیح فرماتے ہیں۔ کسی کو غلط نہیں کہنا چاہیے، غلط وہ ہے جو عقائد میں اہل حق سے اختلاف کرتا ہے۔ فتاوی درمختار میں ہے کہ فقہی اختلاف کی صورت میں ہم کہیں گے کہ ہم صواب پر ہیں اور احتمال ہے کہ ہم خطا پر ہوں جبکہ ہم سے اختلاف کرنے والا خطا پر ہے اور احتمال ہے کہ وہ صواب پر ہو۔[2] اور یہ کہ فقہی مسئلے میں خطا پر بھی ایک ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا ہمیں فقہی شدت سے گریز کرنا چاہیے اور وہی موقف اختیار کرنا چاہیے جو علامہ شامی فرماتے ہیں:

«مَنْ قَلَّدَ عَالِمًا لَّقِيَ اللهَ سَالِمًا»

''جس نے کسی بھی عالم کے فتوے پر عمل کیا وہ اللہ سے سلامتی کے ساتھ جا ملے گا۔''[3]

(کتاب مذکور، صفحہ: 105,104)

مجتہدین کی وسیع الظرفی

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک مجتہد کے فقہی مذہب کی تقلید کرنے والے کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے:

«إِنَّ صَاحِبَ هٰذَا الْمَقَامِ لَمْ يَقُلْ بِإِلْزَامِ الضَّعِيفِ بِالْعَزِيمَةِ بَلْ جَوَّزَ لَهُ الْخُرُوجَ مِنْ مَّذْهَبِهِ إِلَى الرُّخْصَةِ الَّتِي قَالَ بِهَا غَيْرُهُ»

''بلا شبہ اس مقام اجتہاد پر فائز مجتہد نے کسی کمزور کو، جو کسی خاص مسئلے میں اس

---

1. الحديقة الندية: 179/1.
2. مقدمه در مختار مع الشامي.
3. فتاوىٰ شامي: 52/1.

کے فقہی موقف پر عمل کرنے سے قاصر ہے، یہ نہیں کہا کہ ہر صورت وہ ان کے موقف پر قائم رہے بلکہ اس امام نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ اس مسئلے میں اس کے مذہب کو چھوڑ کر اس رخصت (موقف) پر عمل کرے جو دوسرے امام نے دی ہے۔"[1]

"الحمدللہ! واضح ہو گیا کہ ائمہ مجتہدین وسیع الظرف تھے ان میں وہ فقہی تعصب نہیں پایا جاتا تھا جو ان کے مقلدین میں پایا جاتا ہے مقلدین کو بھی اپنے ائمہ کی طرح وسیع الظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام کو کہہ دینا چاہیے کہ تم حسب ضرورت دوسرے ائمہ کی آراء پر بھی عمل کر سکتے ہو جبکہ پہلے بیان گزرا کہ عوام کا کوئی فقہی مذہب نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول سے رہنمائی

سیدی امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«مَاجَاءَ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، بِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، فَعَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ، وَمَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِهِ تَخَيَّرْنَا، وَمَاجَاءَ عَنْ غَيْرِهِمْ فَهُمْ رِجَالٌ، وَّنَحْنُ رِجَالٌ»

"جو بات ہمیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچی میرے ماں باپ ان پر قربان تو وہ سر آنکھوں پر اور جو حضور کے صحابہ سے ہمیں مختلف اقوال پہنچے تو ان میں سے ہم اپنی مرضی کے مطابق جو پسند کریں گے انھیں لیں گے اور جو مختلف اقوال ہمیں بعد والوں سے ملیں گے تو وہ بھی مرد (انسان) ہیں اور ہم بھی مرد (انسان)، یعنی ہم ان سے اختلاف کر سکتے ہیں۔"[2]

اس کے بعد امام شعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] المیزان: 1/154.

[2] المیزان: 1/159.

«فَفِي ذٰلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ لِلْعَبْدِ أَنْ يَّخْتَارَ مِنَ الْمَذَاهِبِ مِنْ غَيْرِ وُجُوبِ ذٰلِكَ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ ذٰلِكَ الْمَقَامِ»

''اس میں اشارہ ہے کہ بندے کے لیے جائز ہے کہ وہ فقہی مذاہب سے جو چاہے پسند کر کے لے لے اس پر کسی خاص امام کا قول لینا واجب نہیں ہے اگر وہ اس مقام کا اہل ہے (کہ جس قول کو اختیار کرے کسی دلیل کی بنا پر کرے۔)''[1]

امام شعرانی رحمہ اللہ پھر لکھتے ہیں:

«إِنَّ الْأَئِمَّةَ كُلَّهُمْ فِي الْحَقِّ سَوَاءٌ، فَلَيْسَ مَذْهَبٌ أَوْلٰى بِالشَّرِيعَةِ مِنْ مَّذْهَبٍ»

''سارے ائمہ حق ہونے میں برابر ہیں کوئی مذہب دوسرے مذہب کی نسبت شریعت کے زیادہ قریب نہیں ہے۔''[2]

الحاصل علمائے دین کو عوام کی تکلیف کا خیال رکھتے ہوئے انھیں شریعت کی روشنی میں وہ مسئلہ بتائیں جو ان کے لیے آسان ہو وہ مسئلہ نہ بتائیں جس سے وہ نا قابل برداشت تکلیف کا سامنا کریں اور ان کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے کسی دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا پڑے تو دینا چاہیے جیسے مفقود الخبر کے بارے میں ہم امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں کہ سب ائمہ حق پر ہیں اور مصیب ہیں اور سب کے اقوال عین شریعت ہیں۔''[3]

فقط ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

(''شدید غصے کی طلاق کا شرعی حکم'' ص:118-120)

---

[1] المیزان: 159/1. [2] المیزان: 174/1.

[3] از مرتب: مفتی صاحب موصوف کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ وہ ان علماء کو سمجھا رہے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کی بابت اہل حدیث علماء سے فتویٰ لے کر رجوع کر لینے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کے فعل کو نا جائز قرار دیتے ہیں۔ کاش وہ علماء مفتی صاحب کی اس نصیحت پر عمل کر سکیں۔ (صلاح الدین یوسف)

مذاہبِ اربعہ کا متفقہ موقف

تاکید کے طور پر تین طلاقیں، ایک ہی طلاق ہے

چاروں فقہوں (حنفی، حنبلی، شافعی اور مالکی) میں ایک اور نقطۂ نظر سے بھی تین دفعہ طلاق کا لفظ دُہرانے کے باوجود، اسے ایک طلاق شمار کرنے کی گنجائش موجود ہے، حالانکہ یہ سب اصحابِ فقہ ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی شمار کرنے کے قائل ہیں۔

وہ گنجائش کیا ہے اور کس طرح ہے؟ وہ اس طرح کہ کبھی محض تاکید کے لیے طلاق کا لفظ دُہرا دیا جاتا ہے جیسے مرد کہتا ہے: تجھے طلاق، طلاق، طلاق۔ یا میں تجھے طلاق دیتا ہوں، تجھے طلاق دیتا ہوں، تجھے طلاق دیتا ہوں۔ لیکن اس طرح کہتے ہوئے اس کی نیّت تین طلاقیں دینے کی نہیں ہوتی بلکہ صرف طلاق دینے کی ہوتی ہے اور وہ طلاق کا لفظ صرف تاکید کے طور پر دُہراتا ہے اور اکثر لوگوں کی نیّت واقعی صرف طلاق دینے ہی کی ہوتی ہے، ایسی صورت میں مذکورہ فقہاء بھی ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل ہیں۔

چنانچہ کتاب الفقه على المذاهب الأربعة کے مؤلف فقہ مالکی کی صراحت کرتے ہیں۔

فقہ مالکی کا فتویٰ

«اَلصُّورَةُ الأُولٰى أَنْ يَّقُولَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ، طَالِقٌ، طَالِقٌ،

بِدُونِ عَطْفٍ وَتَعْلِيقٍ، وَحُكْمُ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ أَنَّهُ يَقَعُ بِهَا وَاحِدَة إِذَا نَوٰى بِالثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ التَّأْكِيدَ»

''اگراس نے کہا: تجھے طلاق، طلاق، طلاق، بغیر عطف اور تعلیق کے تو اس صورت میں ایک ہی طلاق ہوگی، جب اس کی نیت دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید ہو۔''[1]

فقہ حنبلی کا فتویٰ

حنبلی مسلک کی کتاب ''المغنی'' میں علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

«فَإِنْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ، طَالِقٌ، طَالِقٌ، وَّقَالَ أَرَدْتُّ التَّوْكِيدَ قُبِلَ مِنْهُ، لِأَنَّ الْكَلَامَ يُكَرَّرُ لِلتَّوْكِيدِ كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، بَاطِلٌ، بَاطِلٌ، وَإِنْ قَصَدَ الْإِيقَاعَ وَكَرَّرَ الطَّلْقَاتِ طُلِّقَتْ ثَلَاثًا، وَّإِنْ لَّمْ يَنْوِ شَيْئًا لَّمْ يَقَعْ إِلَّا وَاحِدَةً»

''اگر کہا: تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، اور کہے کہ میں نے تاکید کی غرض سے کہا تھا تو اُس کا یہ بیان قبول کرلیا جائے گا کیونکہ بات تاکیداً دُہرائی جاتی ہے جس طرح کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، (یعنی ایک حدیث میں نکاح کے باطل ہونے کا لفظ تاکید کی غرض سے تین مرتبہ دُہرایا گیا ہے) لیکن اگر اس کی نیت تین طلاقوں کے إیقاع (واقع کرنے) کی تھی اور طلاقوں کو دُہرایا تھا تو پھر تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر کوئی نیت نہیں تھی تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔''[2]

---

[1] الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الطلاق.

[2] المغني:7/232-369 دارالفكر، بيروت:1984ء.

فقہ شافعی کا فتویٰ

شافعی مسلک کی کتاب ''روضۃ الطالبین'' میں امام نووی لکھتے ہیں:

«وَلَوْ كَرَّرَ اللَّفْظَةَ ثَلَاثًا وَّأَرَادَ بِالْآخِرَتَيْنِ تَأْكِيدَ الْأُولٰى لَمْ يَقَعْ إِلَّا وَاحِدَةً»

''اگر اس نے طلاق کا لفظ تین مرتبہ دُہرایا لیکن آخری دو مرتبہ سے اس کا مقصد پہلی طلاق کی تاکید تھا تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔''[1]

فقہ حنفی کا فتویٰ

(1) حنفی مسلک کی کتاب ''بہشتی زیور'' میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''کسی نے تین دفعہ کہا: تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ تینوں طلاقیں پڑ گئیں یا گول الفاظ میں تین مرتبہ کہا تب بھی تین پڑ گئیں لیکن اگر نیّت ایک ہی طلاق کی ہے، فقط مضبوطی کے لیے تین دفعہ کہا کہ بات خوب پکی ہو جائے تو ایک ہی طلاق ہوئی لیکن عورت کو اُس کے دل کا حال تو معلوم نہیں، اس لیے یہی سمجھے کہ تین طلاقیں مل گئیں۔''[2]

مولانا مجیب اللہ ندوی

مولانا مجیب اللہ ندوی (بھارت) یہ بھی مسئلہ طلاقِ ثلاثہ میں حنفی موقف کے نہایت سختی سے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی کتاب ''اسلامی فقہ'' میں لکھتے ہیں:

''البتہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ تو اگر اس سے اُس کی نیت تین طلاق دینے کی نہیں تھی بلکہ صرف تاکید کرنی مقصود تھی تو ایک ہی طلاقِ رجعی

---

① روضة الطالبين:78/8، طبع المكتب الإسلامي، بيروت، 1991ء.
② بہشتی زیور:19/4.

پڑے گی۔''[1]

مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

یہ اپنی کتاب إقامة القیامة میں تحریر کرتے ہیں:

''اگر عورت مدخول بہا ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن بتکرار لفظ تین طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانتاً قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اس میں اختلاف نہیں۔''[2]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ المحلّٰی میں لکھتے ہیں:

«فَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوءَةٍ: أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، فَإِنْ نَّوَى التَّكْرِيرَ لِكَلِمَتِهِ الْأُولٰى وَإِعْلَامَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَّكَذٰلِكَ إِنْ لَّمْ يَنْوِ بِتَكْرَارِهِ شَيْئًا»

''مدخول بہا عورت سے کسی نے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، پس اگر اس تکرار سے اس کی نیت پہلی طلاق ہی کی تاکید اور اس کی اطلاع ہے تو یہ ایک ہی طلاق ہے اور اسی طرح اس وقت بھی ایک ہی طلاق ہوگی جب اس تکرار سے اس کی کوئی نیّت ہی نہ ہو۔''[3]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

تاکید کے طور پر تین مرتبہ طلاق کا لفظ دُہرانے کے بارے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ''تین طلاقوں میں تاکید کا اعتبار'' کا عنوان قائم کر کے اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی

---

[1] اسلامی فقہ: 260/4. [2] إقامة القیامة، ص:75.

[3] المحلّٰی: 174/10.

ہے۔ اور یہ ان علمائے احناف میں سے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہی واقع ہونے کے مسئلے میں سخت متشدد ہیں لیکن اس کے باوجود لکھتے ہیں:

''ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہوجائیں گی...... لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب تین کے عدد کی صراحت ہو، مثلاً: کہا جائے: میں نے تین طلاقیں دیں۔ اگر صرف طلاق کو تین بار کہا کہ تم کو طلاق، طلاق، طلاق تو اب دو باتوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ تین طلاقیں دینا مقصود ہیں یا یہ کہ ایک ہی طلاق دینی مقصود ہے اور تاکید کے لیے تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور دوسری صورت میں صرف ایک، اس لیے کہ تاکید کسی چیز کے وقوع کو اور مؤکد تو کرتا ہے لیکن اس کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔

اس طرح اس معاملے کا مدار طلاق دینے والے کے ارادے پر ہے، مگر اس میں اس بات کا قوی احتمال تھا کہ لوگ تین طلاق کے ارادے سے اس طرح کا فقرہ استعمال کریں اور بعد میں بیوی کی علیحدگی سے بچنے کے لیے کہہ دیں کہ ''تاکید'' کی نیت تھی، اس لیے فقہاء نے کہا کہ ایسے فقروں میں دیانتاً اور فِي مَابَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس طرح طلاق دینے کے بعد پھر اپنی بیوی سے رجعت کرلے تو اس کو ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔

مگر ہمارے زمانے میں جہالت اور ناواقفیت اور شرعی تعلیمات سے دوری کے باعث صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ طلاق واقع ہی اس وقت ہوتی ہے جب تین بار طلاق کا لفظ کہا جائے۔ ان حالات میں مناسب ہوگا کہ جہاں صرف لفظ ''طلاق'' کا تکرار ہو اور تاکید کا معنی مراد لیا جاسکتا ہو وہاں ایک ہی طلاق واقع قرار دی جائے اور قضاءً بھی اس شخص کی نیت کا اعتبار کیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء نے اس مسئلے

میں پیش قدمی کی ہے اور فتاوی میں اس کی رعایت شروع کر دی ہے، چنانچہ اس مسئلے
دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال 1075: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو اس طرح طلاق دی۔تم کو طلاق، طلاق، طلاق، اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی اور کیا مراجعت کی گنجائش ہوگی؟

المستفتی: خالد سیف اللہ رحمانی

جواب 943: صورت مذکورہ میں ہمارے اطراف کے عرف کے اعتبار سے زید کی مدخولہ بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ اگر آپ کے یہاں کا عرف بھی یہی ہو تو ایک طلاق رجعی کے وقوع کا حکم ہوگا۔

طلاق رجعی کا حکم ہے کہ اندرون عدت رجوع اور بعد عدت بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح جائز ہے۔ واللہ أعلم.[1]

کفیل الرحمٰن نشاط
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، 21-8-1405ھ

الجواب الصحیح
ظفیر الدین غفرلہٗ (مفتی دارالعلوم دیوبند)
21 شعبان 1405ھ
مُہر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے دوسرے دارالافتاء اور اہل علم بھی اسی کے مطابق فتوے دیا کریں، اس لیے کہ قریب قریب پورے ملک کا عرف یہی ہے کہ لوگوں نے ناواقفیت کی وجہ سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب تک تین بار طلاق کا لفظ نہ استعمال کیا جائے طلاق واقع ہی نہ ہوگی۔''[2]

---

[1] الفتاویٰ الهندیه:2/50.

[2] جدید فقهي مسائل:2/108-111.

مرتب: اسی سے ملتی جلتی صورت ہمارے خیال میں یہ ہے کہ لوگ شرعی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے تین کے عدد کے ساتھ طلاق دیتے ہیں لیکن بعد میں جب اس کا علم ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین مرتبہ طلاق کے الفاظ استعمال کیے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

اس صورت حال کو بھی ہمدردی سے دیکھنا چاہیے اور ایسے شخص کی بھی تین طلاقوں کو تاکید پر محمول کر کے ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگانا چاہیے۔ (ص۔ی)

مسلم ممالک میں طلاق کا قانون

مسلم ممالک نے تطلیقات ثلاثہ کے سلسلے میں جو قوانین بنائے ہیں ان کی حیثیت شرعی حجت کی ہرگز نہیں ہے، اس لیے ان قوانین کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ کن ممالک نے اس سلسلے میں اقدامات کیے ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر، یعنی بغرض معلومات اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مصر نے 1929ء میں ایک ہی وقت کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر دیا اور قانون یہ بنایا کہ متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوں گی اور وہ رجعی ہوں گی۔ پیر کرم شاہ ازہری نے بھی اپنی مذکورہ کتاب میں اس مصری قانون کی مختصر تفصیل پیش کی ہے۔ اور اس کے حوالے سے پاکستان کے حنفی علماء کو بھی یہی مسلک اپنانے کی تلقین کی ہے اسی قسم کا قانون سوڈان نے 1935ء میں، اُردن نے 1951ء میں، شام نے 1953ء میں، مراکش نے 1958ء میں، عراق نے 1909ء میں اور پاکستان نے 1961ء میں نافذ کیا۔ [1]

[1] ایک مجلس کی تین طلاق، ص: 69,68.

مولانا اشرف علی تھانوی کا طرزِ عمل

علمائے احناف کے لیے دعوتِ غور وفکر

آج سے تقریباً 75 سال قبل (1351ھ میں) مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے ایک کتاب تالیف فرمائی تھی جس کا نام ہے الحيلة الناجزة في الحليلة العاجزة (مشکلات سے دو چار شادی شدہ عورت کے لیے کامیاب حیلہ یا تدبیر) اس میں حسبِ ذیل عورتوں کی مشکلات کا حل پیش کیا گیا تھا۔

❁ نامرد شخص کی بیوی۔ ❁ مجنون شخص کی بیوی۔ ❁ متعنّت (نان نفقہ نہ دینے والے) کی بیوی۔ ❁ مفقود الخبر (لا پتہ شوہر) کی بیوی۔

ان کا حل پیش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ فقہ حنفی میں مذکورہ عورتوں کی مشکلات کا، یعنی خاوندوں سے گلو خلاصی (چھٹکارا) حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اس بات کا اعتراف اس کتاب کے نئے ایڈیشن کے دیباچے میں مولانا تقی عثمانی نے بھی کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ایسی خواتین جنھوں نے نکاح کے وقت تفویضِ طلاق کے طریقے کو اختیار نہ کیا ہو، اگر بعد میں کسی شدید مجبوری کے تحت شوہر سے گلوخلاصی حاصل کرنا چاہیں، مثلاً: شوہر اتنا ظالم ہو کہ نہ نفقہ دیتا ہو، نہ آباد کرتا ہو، یا وہ پاگل ہو جائے یا مفقود الخبر ہو جائے یا

نامرد ہو اور از خود طلاق یا خلع پر آمادہ نہ ہو تو اصل حنفی مسلک میں ایسی عورتوں کے لیے شدید مشکلات ہیں، خاص طور پر ان مقامات پر جہاں شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا کوئی قاضی موجود نہ ہو، ایسی عورتوں کے لیے اصل حنفی مسلک میں شوہر سے رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔''[1]

مولانا اشرف علی تھانوی نے مذکورہ بیشتر مسائل میں فقہ حنفی سے انحراف کر کے مالکی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا اور اس کی روشنی میں ان کو اپنے شوہروں سے گلوخلاصی (چھٹکارے) کا طریقہ بتلایا، اس کی تفصیل مذکورہ کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، علاوہ ازیں مولانا تھانوی کے ان فتووں کو اس وقت کے تمام کبار حنفی علماء نے بھی تسلیم کیا جن کی تصدیقات بھی اس کتاب میں موجود ہیں۔ کسی نے بھی ان پر فقہ حنفی سے خروج کا فتویٰ نہیں لگایا کیونکہ کتاب میں مولانا تھانوی نے صراحت کی ہے کہ ضرورتِ شدیدہ کے وقت کسی دوسری فقہ پر عمل کرنے کی اجازت خود فقہائے احناف نے دی ہے۔ اسی اجازت کی وجہ سے یہ سہولتیں عورتوں کو دی جارہی ہیں جو فقہ حنفی میں نہیں ہیں۔

یہاں یہ مثال پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو نافذ کر کے دفعتاً میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کر دینا بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے بے شمار پیچیدگیاں اور معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں جس کی کچھ تفصیل گزشتہ بعض مقالات میں گزری ہے۔ اس کے حل کے لیے بھی ضروری ہے کہ موجودہ علمائے احناف مولانا تھانوی کی طرح ایسا اقدام کریں کہ مسئلہ طلاقِ ثلاثہ کی وجہ سے مسلمان عورت جن آلام و مصائب کا شکار ہوتی ہے، اس سے وہ محفوظ ہو جائے اور وہ حل یہی ہے کہ زیر بحث طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاقِ رجعی شمار کریں جس کی پوری گنجائش شریعت ہی میں موجود ہے جیسا کہ گزشتہ مباحث و دلائل سے واضح ہے۔

---

[1] الحیلة الناجزة، ص:10، دارالاشاعت کراچی۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ

مذکورہ وضاحت اور تفصیل سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

- بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنا، کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ عہدِ رسالت ہی سے اسے ایک طلاق شمار کیا جا رہا ہے۔
- سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے تیسرے سال میں، جب دیکھا کہ لوگ کثرت سے طلاقیں دینے لگے ہیں، تو لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے تعزیری اقدام کے طور پر ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی شمار کرنے کا حکم دیا۔
- یہ کوئی شرعی حکم نہیں تھا بلکہ اجتہادی اور تادیبی (تعزیری) اقدام تھا۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سیاسی و تدبیری حکم کے بعد بھی متعدد صحابہ و تابعین نے اس سے عملاً اختلاف کیا اور زیر بحث طلاقِ ثلاثہ کو ایک ہی طلاق شمار کرتے رہے۔
- صحابہ و تابعین کے بعد بھی بہت سے جلیل القدر ائمہ اسی موقف کے قائل رہے ہیں۔
- متعدد مفسرین نے ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ کی تفسیر میں تسلیم کیا ہے کہ ان الفاظ کا تقاضا ہے کہ اکٹھی دو یا تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے۔

- آج کل کے بہت سے علمائے عرب نے بھی حالات کے پیش نظر اسی مسلک کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔
- پاک و ہند کے متعدد علمائے احناف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ مسلمان عورت کی مشکلات کا حل یہی ہے کہ مسلک اہل حدیث کو اپنایا جائے یا اہل حدیث عالم سے فتوی لے کر رجوع کرنے کو صحیح قرار دیا جائے۔
- مروّجہ حلالہ لعنتی فعل اور زنا کاری ہے، اس حلالے سے مُطلّقہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔
- زیر بحث طلاقِ ثلاثہ کے تین ہونے پر اجماع کا دعوٰی یکسر غلط اور بے بنیاد ہے۔
- اگر کوئی حنفی اہل حدیث عالم سے فتوی لے کر رجوع کر لے تو ایسا کرنا جائز ہے۔
- اگر کوئی شخص تاکید کے طور پر طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہراتا ہے جبکہ اس کی نیت صرف طلاق دینے کی تھی تو اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسے ایک ہی طلاق شمار کیا جائے گا۔ چاروں مذاہب کا یہ متفقہ مسلک ہے۔
- ضرورت شدیدہ کے وقت علمائے احناف کے نزدیک بھی کسی دوسری فقہ کے مطابق فتوی دینا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔
- ایک طلاقِ رجعی کا مطلب ہے کہ خاوند عدت کے اندر رجوع اور عدّت گزرنے کے بعد بغیر حلالے کے نکاح کر سکتا ہے۔
- عدّت تین حیض یا تین مہینے ہیں۔

کیا ائمہ کا اتفاق، اجماع امت کے مترادف ہے؟

دعویٰ: 3

مسئلہ طلاقِ ثلاثہ میں احناف کا مذہب ائمہ اربعہ کا مذہب ہے
جو اِجماعِ اُمّت کے مترادف ہے۔

مسئلۂ زیر بحث کی تنقیح کے بعد، اب دو دعووں کا جائزہ لینا باقی رہ گیا ہے۔ایک یہ کہ کیا کسی مسئلے میں مذاہب اربعہ کا اتفاق اجماع امت کے مترادف ہے؟ دوسرا یہ کہ اس اجماع سے انحراف، کیا شیعوں کی پیروی ہے؟

جہاں تک پہلے دعوے کا تعلق ہے، ہمارے خیال میں یہ دعویٰ بھی بوجوہِ ذیل یکسر غلط ہے۔

أولاً: اجماع کے لیے بوقت انعقاد تمام مجتہدین وقت کا اتفاق ضروری ہے۔اگر تنزلاً مان لیا جائے کہ تمام مجتہدین کے بجائے صرف ان چار مجتہدین کا اتفاق ہی اجماع کے لیے کافی ہے تب بھی کسی مسئلے میں ان چاروں کا بیک وقت اتفاق کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ ان کا زمانہ ہی ایک نہیں ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ کی تاریخ ولادت 80ھ، امام مالک کی 93ھ، امام شافعی کی 150ھ اور امام احمد کی 164ھ ہے اور تاریخ وفات امام ابوحنیفہ کی 150ھ، امام مالک کی 179ھ، امام شافعی کی 204ھ اور امام احمد کی 241ھ ہے۔(رحمہم اللہ)

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ کسی مسئلے میں ان چاروں ائمہ کی رائے کا توافق وتوارد ہی کافی ہے، تب بھی بات محل نظر ہے کیونکہ ان مذاہب کی فقہی کتابیں دراصل ان کی اپنی لکھی ہوئی ہی نہیں ہیں

بلکہ یہ تو بعد کے لوگوں نے کئی صدیوں بعد مرتب کی ہیں۔ کیا یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان ان کی طرف منسوب سب اقوال و آراء صحیح ہیں؟ یہ عین ممکن ہے کہ کسی قول کی نسبت ہی ان کی طرف صحیح نہ ہو، چنانچہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''باید دانست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ در علم حدیث امروز در دست مردم غیر از موطأ موجود نیست و مسانید ائمہ دیگر کہ در عالم مشہور است خود ایشاں بہ تصنیف آں نہ پرداختہ اند بلکہ دیگراں بعد از ایشاں آمدہ مرویات ایشاں را جمع نمودہ اند و مسند فلانے مسمی کردہ و بر ہر عاقل پوشیدہ نمی ماند کہ مرویات شخص از ہر رطب و یابس مجموع و مخلوط می باشد تاوقتیکہ خود آں شخص کہ اعتقاد بزرگی و فضیلت او داریم آں مخلوط را متمیز نہ کند و بارہا بہ نظر امعان و تعمق مطالعہ نہ نماید و شاگردان خود را تعلیم نہ کند محل اعتماد چہ قسم تواند بود۔''

''یہ جاننا چاہیے کہ اس زمانے میں چاروں اماموں کی تصنیف میں موطأ (امام مالک) کے سوا علم حدیث میں اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور دوسرے اماموں کی مسانید جو عالم میں مشہور ہیں، وہ امام خود ان کی تصنیف میں شامل نہیں ہوئے بلکہ دوسرے اشخاص نے جو ان کے بعد میں آئے ہیں، ان کی مرویات کو جمع کر کے مسند فلاں نام رکھ دیا اور یہ امر ہر عقل مند جانتا ہے کہ کسی شخص کی مرویات اس وقت تک رطب و یابس، یعنی صحیح وضعیف کا مجموعہ رہتی ہیں جب تک وہ شخص جس کی بزرگی و فضیلت کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں خود اس مخلوط کو چند دفعہ گہری نظروں سے مطالعہ کر کے متمیز نہ کر دے اور جب تک وہ اپنے شاگرد کو تعلیم نہ دے، کسی قسم کا اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

جب ان کے نام پر منسوب احادیث کے مجموعوں کا یہ حال ہے تو ان مذاہب کی مدوّنہ کتابیں جن میں ان کے اقوال و آراء اور ان پر تخریج در تخریج فتووں کو جمع کیا گیا ہے، کہاں تک

---

[1] بستان المحدثین، مع اُردو ترجمہ، ص: 74-77، طبع کراچی۔

یں اعتبار رہ جاتی ہیں کہ ان مذاہب اربعہ کے غیر منقح اتفاق کو اجماع اُمّت سے تعبیر کیا جا سکے۔

ثالثًا: یہ دعویٰ غالبًا اس معہود ذہنی پر مبنی ہے کہ حق ان چار مذاہب میں منحصر ہے۔اس سے باہر ضلالت اور گمراہی ہے جیسا کہ احناف میں سے امام طحاوی نے یہ دعویٰ کیا ہے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، حق کو ان چاروں مذاہب میں منحصر کر دینا ایک طرح سے شریعت سازی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ یہ چاروں تقلیدی سلسلے تو ویسے بھی چوتھی صدی ہجری کے بعد قائم ہوئے ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ اور دیگر علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر حق ان ہی میں منحصر سمجھا جائے تو ابتدائی چار صدیوں کے مسلمانوں کے متعلق جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سب شامل ہیں، کس نوعیت کا فیصلہ کیا جائے گا؟ اگر وہ چاروں مذاہب کے تقلیدی سلسلوں سے الگ رہنے کے باوجود صحیح مسلمان تھے تو بعد کے مسلمان کیوں اسی طرح قرآن و حدیث پر عمل کر کے اہل حق نہیں ہو سکتے؟ ان کو پھر کسی ایک تقلیدی سلسلے کا پابند کرنے کی کونسی معقول دلیل ہے؟ آخر صحابہ وتابعین و تبع تابعین کے بعد بھی ہر دور میں محدثین (اہل حدیث) کا ایک عظیم گروہ موجود رہا ہے جنھوں نے تقلید ائمہ سے الگ رہ کر خالص قرآن و حدیث کو اپنا طرۂ کردار اور شیوۂ گفتار بنائے رکھا ہے، انھیں کون اہل حق سے خارج کر سکتا ہے؟ حالانکہ اگر حق کو چار مذاہب میں منحصر سمجھا جائے تو پھر نعوذ باللہ فقہائے محدثین کی جماعت اہل حق سے اپنے آپ ہی خارج ہو جاتی ہے، حالانکہ یہی تو وہ گروہ ہے جن کی بے مثال کاوشوں سے دین اصل صورت میں محفوظ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی مکمل زندگی علمًا وعملًا ایک مُرتَّب شکل میں سامنے آئی۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

بہر حال یہ تقلیدی سلسلہ ایک امر حادث ہے جس کا وجوب تو کجا سرے سے کوئی حکم ہی شریعت اسلامیہ میں نہیں ہے، حق کو اپنے ان خود ساختہ طریقوں میں محدود کر دینا سراسر تحکم اور دھاندلی ہے، چنانچہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

«وَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى مَا كَلَّفَ أَحَدًا أَنْ يَّكُونَ حَنَفِيًّا أَوْ مَالِكِيًّا أَوْ شَافِعِيًّا أَوْ حَنْبَلِيًّا بَلْ كَلَّفَهُمْ أَنْ يَّعْمَلُوا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ إِنْ كَانُوا عُلَمَاءَ، أَوْ يُقَلِّدُوا الْعُلَمَاءَ إِنْ كَانُوا جُهَلَاءَ»

''یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حنفی، مالکی، شافعی یا حنبلی بننے کی تکلیف نہیں دی بلکہ سب (مسلمانوں) کو اس بات کا مکلّف بنایا ہے کہ اگر وہ طبقۂ علماء سے ہوں تو (براہ راست) کتاب وسُنت پر عمل کریں اور جاہل ہوں تو علماء کی تقلید کریں۔''[1]

رابعًا: اس فلسفے کی بنیاد اگر یہ زعم ہے کہ جو ملکۂ اجتہاد ائمہ اربعہ کو حاصل تھا، بعد کے ائمہ اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا اجتہاد بھی ان پر ختم ہو گیا اور ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید بھی ناجائز ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے ایسا لکھا بھی ہے تو یہ بھی غلط ہے، خود کئی حنفی علماء نے بھی اس زعم باطل کی تردید کی ہے اور اسے دیگر ائمہ مجتہدین کی بے ادبی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر طعن قرار دیا ہے، چنانچہ مولانا عبدالعلی حنفی (بحر العلوم) تحریر ابن الہمام کی شرح میں فرماتے ہیں:

«وَأَمَّا الْمُجْتَهِدُونَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ، فَكُلُّهُمْ سَوَاءٌ فِي صَلَاحِ التَّقْلِيدِ بِهِمْ، فَإِنْ وَّصَلَ فَتْوَى سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ أَوْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ يَّجُوزُ الْأَخْذُ بِهِ كَمَا يَجُوزُ الْأَخْذُ بِفَتْوَى الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَبْقَ عَنِ الْأَئِمَّةِ الْآخَرِينَ نَقْلٌ صَحِيحٌ إِلَّا أَقَلَّ الْقَلِيلِ، وَلِذَا مَنَعَ مِنَ التَّقْلِيدِ إِيَّاهُمْ فَإِنْ وُّجِدَ نَقْلٌ صَحِيحٌ مِّنْهُمْ فِي مَسْئَلَةٍ فَالْعَمَلُ بِهِ وَالْعَمَلُ بِفَتْوَى الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ سَوَاءٌ»

---

[1] شرح عین العلم بحوالہ حقیقۃ الفقہ از مولانا محمد یوسف جے پوری رحمہ اللہ۔

''وہ مجتہدین جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اچھے پیروکار ہیں، وہ سب کے سب صلاحیت تقلید میں برابر ہیں (یعنی ائمہ اربعہ کی تخصیص نہیں) اگر سفیان بن عیینہ یا مالک بن دینار کا فتویٰ مل جائے تو اس پر بھی اسی طرح عمل کیا جا سکتا ہے جس طرح کہ ائمہ اربعہ کے فتوے پر عمل کرنا جائز ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال نقل صحیح کے ساتھ کم تر ہی مہیا ہوتے ہیں، محض اسی وجہ ہی سے بعض لوگوں نے ان کی تقلید سے روکا ہے، تاہم اگر کسی مسئلے میں نقل صحیح کے ساتھ ان کی رائے مل جائے تو اس پر عمل کرنا اور ائمہ اربعہ کے فتوے پر عمل کرنا دونوں برابر ہے۔''

اور شرح مُسلّم میں بھی اسی بات کا ردّ کرتے ہوئے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں، لکھتے ہیں:

«ثُمَّ فِي قَوْلِهِ (يَعْنِي ابْنَ الصَّلَاحِ) خَلَلٌ آخَرُ إِذِ الْمُجْتَهِدُونَ الآخَرُونَ أَيْضًا بَذَلُوا جُهْدَهُمْ مِثْلَ بَذْلِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَإِنْكَارُ هٰذَا مُكَابَرَةٌ وَّسُوءُ أَدَبٍ، بَلِ الْحَقُّ أَنَّهُ إِنَّمَا مَنَعَ مِنْ مَّنْعِ تَقْلِيدِ غَيْرِهِمْ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ رِوَايَةُ مَذْهَبِهِمْ مَحْفُوظَةٌ، حَتَّى لَوْ وُجِدَ رِوَايَةٌ صَحِيحَةٌ مِّنْ مُّجْتَهِدٍ آخَرَ، يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهَا، أَلَا تَرٰى؟ أَنَّ الْمُتَأَخِّرِينَ أَفْتَوا بِتَحْلِيفِ الشُّهُودِ إِقَامَةً لَّهُ مَوْقِعَ التَّزْكِيَةِ عَلَى مَذْهَبِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى، فَافْهَمْ»[1]

اس میں انھوں نے مذکورہ خیال کو دوسرے ائمہ کی بے ادبی بتلایا ہے اور مذاہب اربعہ سے خروج کی ایک مثال دی ہے اس سے قبل ایک اور جگہ صفحہ 624 پر لکھتے ہیں:

«ثُمَّ إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ حَكَمَ بِوُجُوبِ الْخُلُوِّ مِنْ بَعْدِ الْعَلَّامَةِ

[1] فواتح الرحموت، ص:63، طبع نول کشور:1878ء۔

النَّسَفِيِّ، وَاخْتَتَمَ الْاِجْتِهَادُ بِه، وَعَنَوْا الْاِجْتِهَادَ فِي الْمَذْهَبِ، وَأَمَّا الْاِجْتِهَادُ الْمُطْلَقُ، فَقَالُوا: اِخْتَتَمَ بِالْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ حَتّٰى أَوْجَبُوا تَقْلِيدَ وَاحِدٍ مِّنْ هٰؤُلَاءِ عَلَى الْأُمَّةِ، وَهٰذَا كُلُّهُ هَوَسٌ مِّنْ هَوَسَاتِهِمْ لَمْ يَأْتُوا بِدَلِيلٍ، وَّلَا يُعْبَأُ بِكَلَامِهِمْ، وَإِنَّمَا هُمْ مِّنَ الَّذِينَ حَكَمَ الْحَدِيثُ: أَنَّهُمْ أَفْتَوا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا»

یعنی ”جن لوگوں نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ علامہ نسفی کے بعد اِجْتِهَاد فِي الْمَذْهَبِ بھی ختم ہو گیا ہے جبکہ اجتہادِ مطلق تو پہلے ہی ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے، اس لیے اب امت پر انھی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے تو یہ ان کی خواہشات میں سے ایک خواہش ہے جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ دراصل ان کی بات قابل اعتناء ہی نہیں، یہ اس حدیث کا مصداق ہیں: ”خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔“ (یہ متفق علیہ حدیث ہے[1])

اور مولانا نظام الدین لکھنوی اپنی شرح مُسلّم میں لکھتے ہیں:

«اِعْلَمْ أَنَّ بَعْضَ الْمُتَعَصِّبِينَ قَالُوا: اِخْتَتَمَ الْاِجْتِهَادُ الْمُطْلَقُ عَلَى الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَلَمْ يُوجَدْ مُجْتَهِدٌ مُّطْلَقٌ بَعْدَهُمْ، وَالْاِجْتِهَادُ فِي الْمَذْهَبِ اخْتَتَمَ عَلَى الْعَلَّامَةِ النَّسَفِيِّ صَاحِبِ الْكَنْزِ وَلَمْ يُوجَدْ مُجْتَهِدٌ فِي الْمَذْهَبِ بَعْدَهُ، وَهٰذَا غَلَطٌ وَّرَجْمٌ بِالْغَيْبِ، فَإِنْ سُئِلَ مِنْ أَيْنَ عَلِمْتُمْ هٰذَا، لَا يَقْدِرُونَ عَلَى إِيرَادِ

[1] صحيح البخاري، الاعتصام، باب مايذكر من ذم الرأي......، حديث:7307، وصحيح مسلم، العلم، باب رفع العلم وقبضه......، حديث:(13)-2673.

دَلِيلٍ أَصْلاً، ثُمَّ هُوَ إِخْبَارٌ بِالْغَيْبِ وَتَحَكُّمٌ عَلٰى قُدْرَةِ اللهِ تَعَالٰى، فَمِنْ أَيْنَ يَحْصُلُ عِلْمٌ أَنْ لَّا يُوجَدَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَحَدٌ يَّتَفَضَّلُ اللهُ عَلَيْهِ بِنَيْلِهِ مَقَامَ الْاِجْتِهَادِ، فَاجْتَنِبْ عَنْ مِّثْلِ هٰذِهِ التَّعَصُّبَاتِ»

''معلوم ہونا چاہیے کہ بعض متعصّبین نے جو یہ کہا ہے کہ اجتہاد مطلق ائمہ اربعہ پر ختم ہوگیا ہے اور ان کے بعد کوئی مجتہد مطلق نہیں ہوا۔اسی طرح اجتہاد فی المذہب علامہ نسفی، صاحب کنز پر ختم ہوگیا اور ان کے بعد کوئی مجتہد فی المذہب نہیں ہوا۔بالکل غلط اور اٹکل پچو ہے۔اگر ان سے پوچھا جائے تمھیں اس بات کا علم کہاں سے ہوا تو یہ اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کرسکیں گے۔علاوہ ازیں یہ اِخبار بالغیب (غیب کی پیش گوئی) اور اللہ کی قدرت پر بے دلیل حکم لگانا ہے۔ان کو یہ علم کہاں سے حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کسی کو بھی اب مقام اجتہاد سے مشرف و مفضل نہیں فرمائے گا۔ایسے تعصب اور ہٹ دھرمی سے بچ کر رہو۔''

خامسًا: وجوب تقلید ائمہ اربعہ کے خرخشے (جھگڑے) نے امت مسلمہ میں بہت سے فتنے اور قباحتیں پیدا کی ہیں، مثلاً:

* دین حق کو، جو ایک تھا، چار مذہبوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں میں فرقہ بندی اور تعصب کو فروغ دیا اور یہ تحزّب و تعصب اس حد تک پہنچا دیا کہ خانہ کعبہ کے اندر بھی چار مصلے قائم کر دیے گئے تھے، وہاں ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھنے تک کے روادار نہ تھے۔

دین حق را چہار مذہب ساختند　　رخنہ در دین نبی انداختند

* حدیثیں گھڑنے کی جسارت کی گئی، چنانچہ ان مقلدین ائمہ اربعہ نے اپنے اپنے اماموں کی فضیلت میں اور اپنے مخالف ائمہ کی قدح میں کئی حدیثیں گھڑیں، کئی من گھڑت حدیثوں سے

اپنے مسلک پر استدلال کیا، بعض احادیث میں اپنے مذہب کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تحریف کی حتیٰ کہ اثبات تقلید کے جوش میں ہندوستان کے ایک اونچے درجے کے مقلد عالم نے ایک آیت کا ٹکڑا بھی اپنی طرف سے لکھ ڈالا۔ ①

✷ قرآن وحدیث سے بے اعتنائی اور تقلیدی وفقہی جمود کو فروغ دیا جس طرح کہ اس کا اعتراف سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی تحریک اہل حدیث کی خدمات بیان کرتے ہوئے کیا ہے۔'' ②

ان کے علاوہ اور بہت سی قباحتیں ہیں جو تقلید ائمہ کے وجوبی نظریے سے اور مقلدین کے فقہی جمود سے پیدا ہوئیں۔ اس لحاظ سے یہ تقلیدی سلسلہ ہی یکسر اسلام کے خلاف اور امت مسلمہ کے لیے سخت نقصان دہ ہے، چہ جائیکہ اسے تقدس واہمیت کا یہ درجہ دے دیا جائے کہ جس مسئلے میں یہ چاروں تقلیدی مذاہب متفق ہو جائیں اسے اجماع امت کا مقام مل جائے۔ جسے ذرا بھی دین کی سمجھ ہوگی اور اسلام کی حمیت وعصبیت اس کے دل میں جاگزیں ہوگی وہ کبھی اس تقلیدی نظریے کی حمایت نہیں کرے گا۔

① ملاحظہ ہو: إیضاح الأدلة مؤلفہ مولانا محمود الحسن دیوبندی، ص:97، مطبع قاسمی دیوبند: 1330ھ.

② ملاحظہ ہو: ''تراجم علمائے حدیث'' کا مقدمہ، ص:31-33.

شیعوں کے نقش قدم پر کون ہے؟

دعویٰ 4

مسئلہ طلاق ثلاثہ میں اہل حدیث اجماع امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقش قدم پر ہیں

رہ گیا یہ چوتھا دعوٰی کہ ''اہل حدیث اجماع امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقش قدم پر ہیں اور حضرات خلفائے راشدین کی پیروی کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے امت کو دیا تھا اس کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔''[1]

دعوائے اجماع کی حقیقت واضح کرتے ہوئے ہم بتلا آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا جو حکم نافذ کیا تھا، وہ ایک سیاسی اور تدبیری اقدام تھا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعامل عہد رسالت (یعنی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے) کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں یہی تعامل رہا، پھر آخر عمر میں بھی انھوں نے اپنے اس اقدام پر اظہار ندامت کیا جو بطور تدبیر انھوں نے اختیار کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہی تعامل رہا اور دیگر کئی صحابہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے۔ اب دیکھیے اس مسئلے میں بھی خلفائے راشدین کس طرف ہیں، تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کی طرف یا تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کی طرف؟ ظاہر ہے یہ تینوں خلفائے

---

[1] ''اختلافِ امت اور صراط مستقیم'': 33، از مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

راشدین مذکورہ تصریحات کے مطابق ایک ہی طلاق کے قائل ہیں۔اب ذرا سوچیے ! خلفائے راشدین کی عدم پیروی کا اصل مجرم کون ہے؟ اور یوں شیعوں کے پیروکار اہل حدیث ہوئے یا خود مقلدین؟

مزید برآں مقلدین جامدین ہی صحابہ وتابعین کے فہم ومنہاج سے انحراف کے راستے پر گامزن ہیں۔تقلید شخصی پر اصرار بجائے خود صحابہ وتابعین کی روش سے انحراف ہے جس کی وجہ سے انھیں بہت سی صحیح احادیث سے بھی انکار (بصورت تاویلات رکیکہ یا بذریعہ تحریف یا خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر) کرنا پڑ رہا ہے۔الحمدللہ اہل حدیث اس زیغ سے محفوظ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج پر قائم ہیں۔

پھر ذرا اس پر بھی غور فرمالیا جائے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فقیہ اور غیر فقیہ کے خانوں میں کس نے تقسیم کیا ہے۔اور قیاس کے مقابلے میں غیر فقیہ صحابہ کی روایات کو کس نے ٹھکرایا ہے؟ کیا یہ سب کچھ مقلدین احناف نے نہیں کیا؟ نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر فقیہ کہنا اور اپنے قیاس کے مقابلے میں ان کی بیان کردہ روایات حدیث کو ٹھکرا دینا،کیا یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین نہیں؟ کیا یہ شیعیت کی پیروی نہیں؟ ذرا سوچیے کہ شیعوں کے نقش قدم پر کون ہے؟

اور آگے چلیے !کیا مقلدین قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنے اماموں کے اقوال کو ترجیح نہیں دیتے؟ یقیناً دیتے ہیں جس کا اعتراف بڑے بڑے اکابر علماء نے کیا ہے (طوالت کا ڈر ہے ورنہ ایسے دسیوں حوالے اور واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں) کیا اپنے اماموں کو مفترض الطاعۃ سمجھنا اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں ان کے اقوال کو ترجیح دینا،وہی نظریۂ امامت معصومہ نہیں جس کے شیعہ قائل ہیں؟ فرق صرف اتنا ہے کہ شیعہ زبان سے اپنے اماموں کو معصوم مانتے ہیں اور مقلدین زبان سے تو نہیں کہتے،تاہم عملاً انھوں نے اپنے اماموں کو معصوم بنا رکھا ہے کہ قرآن وحدیث کو تو چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن قولِ امام چھوڑنے کے لیے تیار نہیں

تے۔ خود فیصلہ کر لیجیے، نہیں تو کسی تیسری عدالت سے فیصلہ کرا لیجیے کہ شیعوں کے نقش قدم پر کون ہے؟ ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

اگر ہماری بات طبع نازک پر گراں گزرے تو ہم شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا قول پیش کیے دیتے ہیں جس میں انھوں نے مقلدین کی بابت اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ غَلَا النَّاسُ فِي التَّـقْلِيدِ وَتَعَصَّبُوا فِي الْتِزَامِ تَقْلِيدِ شَخْصٍ مُّعَيَّنٍ، حَتَّى مَنَعُوا الْاِجْتِهَادَ فِي مَسْئَلَةٍ، وَّمَنَعُوا تَقْلِيدَ غَيْرِ إِمَامِهِ فِي بَعْضِ الْمَسَائِلِ، وَهٰذَا هِيَ الدَّاءُ الْعُضَالُ الَّتِي أَهْلَكَتِ الشِّيعَةَ، فَهٰؤُلَاءِ أَيْضًا أَشْرَفُوا عَلٰى هَلَاكٍ إِلَّا أَنَّ الشِّيعَةَ قَدْ بَلَغُوا أَقْصَاهَا فَجَوَّزُوا (رَدَّ) النُّصُوصِ بِقَولِ مَنْ يَّزْعُمُونَ تَقْلِيدَهُ وَهٰؤُلَاءِ أَخَذُوا فِيهَا، وَأَوَّلُوا الرِّوَايَاتِ الْمَشْهُورَةِ إِلٰى قَوْلِ إِمَامِهِمْ، وَالْحَقُّ تَاوِيلُ قَولِ الْإِمَامِ إِلٰى رِوَايَاتٍ إِنْ قُبِلَ وَإِلَّا فَالتَّرْكُ»

''تقلید میں لوگوں نے غلو سے کام لیا ہے اور التزام تقلید شخص معین میں بڑا تعصب برتا ہے حتی کہ کسی مسئلے میں اجتہاد تک کی بھی ممانعت کر دی ہے اور بعض مسائل میں اپنے امام کے سوا کسی اور کی تقلید کے بھی روا دار نہیں۔ یہی وہ سخت بیماری ہے جس نے شیعوں کو ہلاک کیا، سو یہ (مقلدین) بھی ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ شیعہ ہلاکت کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ انھوں نے ان لوگوں کے قول کے مقابلے میں جن کی تقلید کا وہ دم بھرتے ہیں، نصوص کے رد کر دینے کو بھی جائز سمجھا ہے اور ان (مقلدین) کا حال یہ ہے کہ یہ مشہور روایات میں بھی (دُور از کار) تاویلیں کر کے ان کو

اپنے امام کی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ قولِ امام کو روایات کے مطابق بنائیں اگر اسے ضرور اپنانا ہی ہے ورنہ (صحیح روایات کے مقابلے میں تو) قولِ امام چھوڑ ہی دینا چاہیے۔''[1]

علاوہ ازیں مسئلہ زیرِ بحث کے حل کے لیے حنفیہ نے بالخصوص جو حلالہ ملعونہ ایجاد کیا ہے جس کا فتویٰ حنفی فقہاء دیتے آئے ہیں اور اب بھی دیتے ہیں۔ کیا وہ شیعوں کا سا طرزِ عمل نہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو اسے زنا کاری سمجھتے رہے اور عہدِ صحابہ و تابعین میں کوئی مسلمان اس ملعون کام کا ارتکاب تو کجا، اس کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ کیا ہمارے ان بھائیوں نے صحابہ و تابعین کے تعامل کو نظر انداز کر کے شیعوں کے متعہ کی طرح حلالے کی صورت میں زنا کاری کا راستہ نہیں کھول رکھا؟

دوسرے، حنفیہ کے علاوہ، حلالہ مروجہ کے حرام اور لعنتی فعل ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے، صحابہ و تابعین اس کی حرمت پر متفق تھے، تمام ائمہ مجتہدین اس پر متفق رہے، مذاہب مدوّنہ نے بھی اسے حرام سمجھا حتی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد و امام ابو یوسف رحمہما اللہ وغیرہ بھی علیٰ وجہ التحلیل نکاح کو غلط قرار دیتے ہیں۔ پوری اُمّت میں صرف ایک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں جنھوں نے بشرطِ تحلیل کیے ہوئے نکاح کو صحیح قرار دیا اور یوں انھوں نے حلالہ ملعونہ کے جواز کا دروازہ کھولا ہے جس کی بنیاد پر ان کے پیروکار حنفی مقلدین بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اب ہر شخص سوچ لے کہ ایک ایسا ملعون فعل جس کی حرمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے اور جس کے حرام ہونے پر پوری امت مسلمہ بھی متفق و مجتمع ہے، اس کا ارتکاب اور اس کے جواز کا اثبات، اجماعِ امت کا انکار ہے یا نہیں؟ گویا حنفی مقلدین ہی شیعوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور اجماعِ امت کے منکر بھی وہی ہیں۔

[1] تنویر العینین في إثبات رفع الیدین، ص:25، طبع لاہور۔

حکومت سے گزارش!

آخر میں ہم حکومت سے بھی عرض کریں گے کہ حلالے کے سدّ باب کے لیے ایک قانون بنایا جائے جس میں حلالے کے مرتکب مرد وعورت کو زنا کاری والی سزا دی جائے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حلالہ کرنے والے مرد وعورت دونوں کو سزائے رجم دینے کا خیال ظاہر فرمایا تھا، اسی طرح حلالے کے جواز کا فتویٰ دینے والے مفتی کے لیے بھی کوئی معقول سزا تجویز کی جائے تا کہ کسی مفتی کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ آئندہ ایسے حلالۂ مروجہ کے جواز کا فتوی دے جو صریحًا قرآن وحدیث کے خلاف، صحابہ وتابعین کے تعامل کے برعکس اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ فقہی تقلید کی آڑ میں کسی گروہ کو یہ حق دینا یقیناً صحیح نہیں کہ وہ اس طرح کھلم کھلا قرآن وحدیث کی تکذیب، صحابہ وتابعین کے تعامل کی مٹی پلید اور اجماع امت سے انحراف کرے۔

اسی طرح بیک وقت تین طلاقیں دینے پر بھی کوئی تعزیری سزا تجویز کی جائے، بالخصوص عرائض نویسوں اور وکلاء کو پابند کیا جائے کہ وہ صرف ایک طلاق لکھا کریں کیونکہ اس سے بھی مقصود پورا ہو جاتا ہے اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا جائے تو ایک مرتبہ طلاق سے بھی میاں بیوی میں جُدائی ہو جاتی ہے اور دونوں آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور جو عرضی نویس یا وکیل تین طلاقیں لکھے، اس کو تعزیری سزا دی جائے تا کہ اس غلط رجحان اور رواج کی حوصلہ شکنی ہو۔

(وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ)

ادخلوا فی السلم کافة

جب حق کی راہ پر چلنے والوں کی سوچیں کئی رستوں میں بٹ کے رہ جائیں
تو ایسے میں خالص راہِ حق کی نشاندہی کے لیے دارُالسّلام پیش کرتا ہے:

راہِ حق سیریز

قرآنِ مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں
2800 صفحات پر مشتمل 11 کتب کا انتہائی مستند
جامع اور دل آویز سیٹ
اُردو میں پہلی بار

- ترجمہ وتفسیر تیسواں پارہ
- تجلّیاتِ نبوّت
- اسلامی آدابِ معاشرت
- ارکانِ اسلام وایمان
- حقوق وفرائض
- مسنون نماز اور روزمرہ کی دعائیں
- اِنسان اپنی صِفات کے آئینے میں
- اسلام کے احکام
- دعوتِ حق کے تقاضے
- ایمان اور صراطِ مستقیم کے تقاضے
- لباس اور پردہ

انقلاب برپا کرنے کا عظیم پروگرام

دارالسلام
DARUSSALAM

ایک مجلس میں تین طلاقیں

لوگ کہتے ہیں کہ فتنہ ہے، مصیبت ہے طلاق
میں یہ کہتا ہوں سراسر ہے یہ ننگ اخلاق

گھر تو وہ ہے کہ ہو خالق کی عبادت جس میں
نہ کہ بن جائے جو اک رزم گہِ بغض ونفاق

اس سے پہلے کہ گھر اپنا کوئی آباد کرے
اس پہ لازم ہے پڑھے مہر و وفا کے اسباق

عقد وہ ہے کہ ہو مضبوط چٹانوں کی طرح
وہ نہیں ہے کہ بکھرنے لگے مثلِ اوراق

شرع نے کھول دیے ہیں سبھی اس کے احکام
ہے وہ کم فہم جو سمجھے اسے کھیل اور مذاق

حالت طہر ضروری ہے طلاقوں کے لیے
اور جائز نہیں عدت میں زن وشو کا فراق

خانۂ شو میں ہے رہنا بحفاظت زن کو
غیظ میں مرد نے ہر چند کہ دے دی ہو طلاق

تا کہ باقی رہے اس قرب سے امکانِ رجوع
اور روشن رہیں تجدیدِ وفا کے آفاق

وَا رہے چارہ گروں کے لیے اصلاح کا دَر
اور اس باب کو پیش آئے نہ خوفِ اغلاق

گھر کی ہر شے پہ ہے حق آج بھی اس کا باقی
ربۃ البیت کا بھی ہوگا اسی پر اطلاق

اس کو حاصل ہے اسی طرح سے حق زینت
تھا جس انداز سے حاصل اسے ماقبلِ طلاق

تا کہ تھم جائے اگر غیظ وغضب کی آندھی
پھر سے لوٹ آئے وہی زمزمۂ مہر و وفاق

اور لوٹ آئے لبوں پر وہی سُندر مسکان
لے گئی تھی جسے کل چھین کے بے درد طلاق

ہاں یہ شادی اگر اک دردِ مسلسل بن جائے
درد بھی ایسا کہ ناپید ہو جس کا تریاق

پھر تو بہتر ہے شرافت سے الگ ہو جائیں
اور حساب اپنا سدا کے لیے کرلیں بے باق

زیست فانی ہے مگر عدل کو حاصل ہے دوام
عدل بنیاد ہو ہر شے کی، ملن ہو کہ فراق

(محمد صبیح الدین انصاری، دبی، متحدہ عرب امارات)